قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

المرشد

لاہور

ذیقعد ۱۴۱۲ھ، مئی ۱۹۹۲ء

حکومت ہر محکمہ اس لیے بناتی ہے کہ عوام کی سہولت کا کام کرے۔ باہر کے ممالک میں دیکھا ہے کہ واقعی ہر محکمہ لوگوں کے گھر جا کر کام کر دیتا ہے۔ آپ کو ٹیلیفون چاہیئے۔ ٹیلیفون کے محکمے کو فون کر دیں۔ آپ فارغ ہیں۔ یہ اُن کا کام ہے وہ آئیں گے ٹیلیفون لگا کر نمبر دے کر چلے جائیں گے۔ بجلی چاہیے محکمہ کو ایک فون کر دیں۔ آگے اُن کی ذمّہ داری ہے۔ ہمارے ملک میں یہ رواج ہے جو محکمہ بنتا ہے وہ کہتا ہے اب قابو آئے۔ میرے پاس آنا، تم سے نمٹ لوں گا یعنی وُہ ہماری سزا بن کر مسلط ہو جاتا ہے۔ جتنے محکمے بنتے ہیں اتنی دشواریاں بنتی چلی جاتی ہیں اتنی زیادہ رشوت دینی پڑ جاتی ہے۔ اُتنے ہی زیادہ لوگوں کو راضی کرنا پڑ جاتا ہے۔ یہ جنّت میں جانے والے لوگ ہیں؟

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

تحفہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ تحفہ دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے اور یہ حرف بحرف سچ ہے۔ مگر تحفہ کو رشوت کے طور پر استعمال کرنا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ سخت گستاخی اور دیدہ دلیری ہے۔ نیز اس حدیث کا اطلاق جانبین پر ہے۔ یعنی دو مسلمان ایک دوسرے کو تحفہ دیا کریں۔ یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ایک فریق دیتا رہے اور دوسرا صرف لیتا رہے۔

سب سے پہلے تو میں اپنی بات عرض کروں کہ کوئی ساتھی مجھے تحفہ دینے کی بجائے وہ رقم دارالعرفان کے فنڈ میں دے تو میں بھی بہت خوش ہوں گا۔ اللہ کریم بھی راضی ہوں گے۔ اور وہ رقم زیادہ مفید مقصد پر خرچ ہو سکے گی۔ میرے لیے یہ اشیاء خرید کر لانے کی بجائے اسی رقم کو خواہ وہ تھوڑی ہو دارالعرفان کے فنڈ میں جمع کرا لیجئے اور ضرور کرا دیجئے کہ دین و دنیا میں اس کا فائدہ زیادہ ہے۔

اب دوسرا نمبر صاحبِ مجاز حضرات کا ہے تو بندہ کی طرف سے کسی صاحب مجاز کو تحفے جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ احباب کو بھی چاہیئے کہ جو لوگ دینی کام کر رہے ہیں۔ اُن کا اجر اور ان کی عادات دونوں کو خراب نہ کریں۔ اللہ کریم کی برکات ناجائز ذرائع استعمال کر کے حاصل نہیں کی جا سکتیں۔

نیز

جو ایسا کرے گا انشاء اللہ اُسے مزید ترقیِ منازل بھی نصیب نہ ہو گی۔ خواہ وہ صاحب مجاز ہو یا عام ساتھی۔ لہٰذا آئندہ سے تحفوں کی سب رقم دارالعرفان کے فنڈ میں جمع کرائی جائے۔

والسلام

فقیر محمد اکرم اعوان

ذیقعد ۱۴۱۲ھ مئی ۱۹۹۲ء

جلد: ۱۳ شمارہ: ۱۰

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

ماہنامہ المُرشد لاہور

یکے از مطبوعات :- ادارہ نقشبندیہ، اویسیہ دار العرفان چکوال

فہرست مضامین

اداریہ ـــــ ۳

عملی زندگی ـــــ ۴

دردِ دل ـــــ ۱۶

تصوف اور جدید سائنس ـــــ ۲۶

قرآن حکیم اور تبلیغ دین ـــــ ۴۱

علم بغیر عمل ـــــ ۵۰

بدل اشتراک

فی پرچہ: دس روپے ششماہی: ۵۵ روپے

چندہ سالانہ: ۱۰۰ روپے تاحیات ۱۰۰۰ روپے

غیر ملکی

سالانہ - تاحیات

سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش ۲۰۰ روپے - ۲۰۰۰ روپے

مشرق وسطیٰ کے ممالک ۵۵ سعودی ریال - ۲۵۰ سعودی ریال

برطانیہ اور یورپ ۱۲ سٹرلنگ پونڈ - ۶۰ سٹرلنگ پونڈ

امریکہ و کینیڈا ۲۵ امریکن ڈالر - ۱۲۵ امریکن ڈالر

پتہ:- ماہنامہ المرشد - اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور ٹیلیفون لاہور ۸۴۴۹۰۹

ناشر:- پروفیسر حافظ عبدالرزاق، پرنٹرز:- طیب جمال ریٹی گن روڈ - لاہور

ماھنامہ **المرشد** کے:

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ،
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ
نشرواشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم-اے (عربی) ایم-اے (اسلامیات)

ناظم اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

اداریہ

چودہ سال کی طویل جدوجہد، پندرہ لاکھ مسلمانوں کی شہادت، بیس لاکھ کی جسمانی معذوری اور پچاس لاکھ خاندانوں کے گھربار لُٹنے اور بے وطنی کے بعد، افغانستان آخرکار کفر کے ظالمانہ چنگل سے آزاد ہوگیا۔ یہ سب کچھ کیوں ہُوا؟ اس میں اللہ کی بہت بڑی مصلحت اور مسلمانوں کے لیے سامانِ عبرت موجود ہے۔ اس مصلحت کو سمجھنے کے لیے دل کی آنکھ کا بینا ہونا اور اللہ پر ایمان کا ہونا شرط ہے۔ مجاہدین کی کامیابی کے دُنیاوی اسباب اور وجوہات ڈھونڈ نکالنا، تو بحث مباحثے کی محفلوں کا دلچسپ مواد بن سکتے ہیں لیکن ایسی قوم جو ہر لحاظ سے دُنیا کی پس ماندہ ترین قوم تھی۔ جن میں نہ کوئی سیاسی تنظیم تھی، نہ کوئی باقاعدہ فوج اور جنگی تربیت تھی۔ نہ مالی وسائل تھے، نہ اقتصادی خوشحالی تھی۔ اِس قوم کے پاس صنعت نام کی کوئی چیز نہ تھی، نہ ایسی زراعت جو ایک خاندان کو پیٹ بھر کر روٹی دے سکے۔ پھر گھر سے بے گھر ہوئے، وطن سے بے وطن ہو کر محرومی کی بدترین حالت میں داخل ہوگئے۔ جب دُنیا کی ہر نعمت چھن گئی تو اللہ کریم نے جذبۂ ایمان کی نعمت سے نواز دیا۔

اپنی تمام فوجی سُپر طاقت، اقتصادی خوشحالی، مالی وسائل، اعلےٰ پلاننگ اور لاجواب عیاری کے باوجود، امریکہ جو دینِ اسلام اور جذبۂ ایمان سے محروم ہے، روس جیسی طاقت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ تک تصور سے خوفزدہ ہوکر لرز اُٹھتا تھا۔ ایسی طاقت سے زور آزمائی اور اُسے شکست دینا تو اُس کے خواب و خیال میں نہ تھا۔ امریکہ کی تمام تر توجّہ، روس سے اپنی قوم کے تحفّظ پر صرف ہو رہی تھی۔ ایسے حالات میں دنیائے اسلام کے لیے اللہ نے اِس دَور میں ایسی مثال پیدا فرمائی کہ جو کام سُپر پاور امریکہ نہ کر سکا وہ بے سروسامان افغان مجاہدین کے جذبۂ ایمان نے کر دکھایا۔ اللہ کریم نے افغان مجاہدین کو کامیابی نصیب فرمائی۔ اِس کے لیے دُنیا کے ہر مسلمان کو شکر گذار ہونا چاہیئے کیونکہ افغان مجاہدین کی کامیابی پورے عالمِ اسلام اور رُوئے زمین پر ہر مسلمان کی کامیابی ہے۔ اِس وقت دُنیا بھر کا مسلمان پُر امید ہے کہ افغانستان میں ایک ایسی اسلامی مملکت قائم ہوگی جو عالمِ اسلام کے لیے چراغِ راہ کا فرض ادا کرے گی۔ کامیابی اور اقتدار نصیب ہونے کے بعد قائدین کا ایمان، اللہ اور اسلام پر ویسا ہی مضبوط رہے گا جیسا طویل دورانِ جہاد رہا۔ اور دوستی کے لبادے میں چھُپے ہُوئے کسی بھی عیار دشمن کی عیاری ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر پائے گی۔ تاکہ دُنیا بھر کے مُسلمانوں اور آئندہ نسلوں کیلئے مثال قائم رہے کہ مسلمان کی کامیابی اور سربلندی کا راز، دل کی گہرائیوں میں بسا ہُوا جذبۂ ایمان ہے۔ اسی جذبۂ ایمان کے بدلے، اللہ کریم اُسے کامیابی عطا کرتا ہے۔ غیروں کو غلامی سے نجات دیتا ہے، عزّت دیتا ہے اور دوسری قوموں پر فضیلت اور عظمت بخشتا ہے۔

تاج رحیم

عملی زندگی
اعتکاف و ذکر و اذکار کا حاصل

مولانا محمد اکرم اعوان

اللہ کریم کا احسان ہے کہ اُس نے رمضان المبارک کی یہ مبارک راتیں اپنے ذکر میں، اپنی یاد میں اور دین کو سمجھنے سمجھانے میں مصروف رکھا۔ سب کا حاصل عملی زندگی ہے۔ اللہ کریم کے احسان سے جتنا زندگی کا عملی پہلو مثبت تبدیلی حاصل کر گیا وہی اصل فائدہ ہے۔ ثواب بھی اسی کا نام ہے۔ برکت بھی وہی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ عملی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑا اور آدمی جیسا تھا یا جہاں سے چلا تھا واپس وہیں پہنچ گیا یا عملاً اس سے بھی بُرے حال پہ چلا گیا۔ تو اُسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اُسے ثواب نام کی کوئی چیز نہیں ملی۔ یہ جو ہمارے ہاں ثواب کا ایک تصور بن گیا ہے کہ آخرت میں جا کر ملے گا یہ درست نہیں ہے۔ ثواب بہتر اجر اور اللہ کی رضامندی کا نام ہے۔ اللہ کریم جب کسی پہ راضی ہوتے ہیں تو گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ دُنیا میں رضائے الٰہی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کریم اُس بندے کو اپنی اطاعت کی توفیق ارزاں کر دیتے ہیں اور گناہ سے بچنے کے اسباب پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کا مزاج بدل دیتے ہیں۔ اس کی پسند، اس کی سوچ بدل جاتی ہے اور اگر آدمی چلّے بھی کاٹے، تبلیغیں بھی کرے، حج بھی کرے، ذکر بھی کرے اور اعتکاف بھی بیٹھے اور اپنا وقت لگا کر واپس جائے مگر جیسا تھا ویسا ہی رہے۔ سوچ بھی ویسی ہو جیسا پہلے عمل تھا۔ کردار بھی ویسا ہی ہو اور پھر یہ سمجھیں کہ اتنا ثواب مل گیا تو یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اصحابِ بدر کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اب یہ جو جی چاہے کریں جنت ان پہ لازم ہو گئی۔ اللہ انہیں جنت میں یقیناً لے جائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب جہاد کے لیے اپنا مال پیش فرمایا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہیں تشریف فرما تھے۔ سکوں سے آپؐ کی گود مبارک بھری ہوئی تھی جو آپؓ نے پیش فرمائی۔ تو آپؐ نے فرمایا عثمان جو جی چاہے کرے جنت کی ضمانت کے لیے اُسے یہی کافی ہے تو اس طرح کے جو ارشادات ہیں۔ شارحینِ حدیث ان کی تشریح فرماتے ہیں تو نتیجہ یہ حاصل کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے تو کوئی شرط نہیں لگائی کہ جھوٹ نہ بولو، چوری نہ کرو یا گناہ نہ کرو، بلکہ فرمایا جو جی چاہے کرو تو "جو جی چاہے" میں تو ہر گناہ آ جاتا ہے۔ برائی، گناہ یا اللہ کی نافرمانی تو جنت میں جانے سے مانع ہے تو پھر یہاں اس کا کیا ہو گا؟ تو شارحین یہی جواب دیتے ہیں، کہ اصحابؓ کے اس عمل کے جواب میں اللہ نے ان کا مزاج بدل دیا۔ "جو جی چاہے کریں" سے مراد یہ ہے کہ ان کا جی چاہے گا ہی نیکی کو۔ یعنی وہ ہمیشہ کریں گے ہی نیکی۔ برائی سے اللہ ان کی حفاظت فرمائے گا۔ تو یہ حدیث بہت بڑی دلیل ہے ثواب یہ کہ ثواب کیا ہوتا ہے!

ہم ساری عمر یہی سُنتے اور سوچتے رہتے ہیں کہ یہ کریں گے تو ثواب ملے گا، وہ کریں گے تو ثواب ملے گا۔ مگر کسی نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ ثواب ہوتا کیا ہے؟ ثواب چیز کیا ہے؟ بلکہ آسان سا جواب یہ دے دیا جاتا ہے کہ جی یہ اُدھاری مزدوری ہے ثواب آگے جا کر ملے گا۔ مگر جسے یہاں نقد نہیں ملے گا۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ اُسے آخرت میں کچھ ملے گا۔ اللہ کا یہی قانون ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جب کوئی مزدوری کرتا ہے، محنت کرتا ہے تو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُس کی مزدوری اُسے ادا کر دو۔ بندہ جو عاجز اور محتاج ہے اُس کے لیے جب یہ حکم ہے تو خود وہ جو قادر ہے اور جس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں وہ ہمارے ساتھ ادھار کرے گا؟ اور اگر عبادات ہی ادھاری مزدوری ہُوں تو نقد کیا ہے؟ اللہ کے ساتھ جو معاملہ چل رہا ہے وہی اُدھار ہے تو پھر نقد کہاں سے ملے گا؟ یہ محض جان چھڑانے کی باتیں ہیں میرے خیال میں اس طرف کوئی سوچتا نہیں۔ اگر کوئی غلطی سے پوچھ بیٹھے کہ یہ ثواب کیا ہے؟ تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ ادھاری مزدوری ہے جو آخرت میں ملے گی۔ مگر جب یہاں نہیں ملا تو مرنے کے بعد کیا خاک ملے گا؟ مرنے کے بعد اُسی کردار کے نتائج ملیں گے جو ہم کر رہے ہیں اب اگر ہم جھوٹ بول رہے ہیں تو مرنے کے بعد کیا سچ کا ثواب مل جائے گا؟ اب اگر ہم چوری کر رہے ہیں تو مرنے کے بعد کیا دیانتداری کا ثواب ملے گا؟ اب ہم گناہ کر رہے ہیں تو مرنے کے بعد نیکیاں مل جائیں گی؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ثواب اس تبدیلی کا نام ہے جو دُنیا میں اللہ ہمارے دلوں میں پیدا فرما دیتا ہے۔ گناہ کا ہو جانا ایک الگ بات ہے۔ انسان ہے انسان، انسان رہتا ہے فرشتہ نہیں بن جاتا۔ لیکن گناہ سے اُسے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ چِڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ حتی الامکان اللہ اُسے بچا بھی لیتا ہے اگر اُس سے غلطی ہو جائے تو اُس کے اندر اتنی ندامت پیدا ہو جاتی ہے، اتنی گریہ زاری کرتا ہے کہ کئی مرتبہ گناہ پہ نیکی کی نسبت زیادہ اجر لے

جاتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی سوانح میں ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کہ کسی نے آپؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو انہیں عجیب سا لگا کہ اتنی جرأت کسے ہوئی کہ کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے؟ پوچھا کون ہے؟ جواب ملا ابلیس ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بدمعاش! میرا دروازہ کیوں پیٹ رہا ہے؟ تو بولا۔ نماز کو دیر ہو رہی ہے۔ آپ جماعت کرائیں۔ انہوں نے فرمایا۔ نماز تو پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن بتاؤ تم کب سے مبلغ اور واعظ ہو گئے ہو اور لوگوں کو نماز کے لیے جگاتے پھرتے ہو؟ کہنے لگا کہ مَیں نے کبھی سچ تو بولا نہیں۔ لیکن کبھی کبھی کہہ دیتا ہوں۔ مَیں آپ سے سچی بات کہہ دیتا ہوں کہ ایک دفعہ آپ سے ایک نماز جماعت سے رہ گئی تھی تو آپ آنسو روئے تھے کہ مَیں سمجھا آپ نے تو پچھلی ساری زندگی کی خطائیں معاف کروا لیں۔ اگر آج پھر آپ کی جماعت رہ گئی تو آپ پھر اُسی طرح رونے بیٹھ جائیں گے۔ لہٰذا جگا دوں۔ آپ اپنے معمول ہی کی پڑھ لیں۔ مَیں ایک ولی اللہ کے حالات دیکھ رہا تھا۔ کابل کے رہنے والے تھے۔ موسم خراب تھا۔ برف پڑی ہوئی تھی۔ سحری کے لیے جاتے ہوئے ایک دم پاؤں پھسلا اور گر گئے۔ کپڑے ناپاک ہو گئے۔ آدھی رات کو واپس گھر گئے پانی بہا کے کپڑے صاف کئے۔ جسم پہ بھی پانی بہایا، وضو کیا پھر سوچا جاتے جاتے دو چار نوافل بھی پڑھ ہی لوں۔ پھر کسی دن اُسی طرح موسم خراب تھا اور وہ سحری کے وقت جا رہے تھے تو آگے آگے کوئی لالٹین لیے جا رہا تھا راستہ دکھانے کے لیے۔ مسجد کے قریب جانے تک وہ ساتھ رہا۔ انہوں نے سوچا کوئی ہوگا جو اس وقت کہیں جا رہا ہوگا۔ جب مسجد کے قریب پہنچے تو وہ دروازے کے ایک طرف ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا کہ آدھی رات کے وقت مسجد آ رہے تھے؟ تو اس نے کہا میرا مسجد میں کیا کام۔ مَیں تو ابلیس ہوں پوچھا تم کب سے راستہ دکھانے لگے؟ بولا اُس دن جب آپ گرے تھے اور پھر کپڑے صاف کئے تھے تو مَیں نے سوچا یہ بابا تو بہت ثواب لے گیا۔ بہتر ہے کہ اس کے راستے میں غلاظت پھینکنے کی بجائے

اسے راستہ دکھا دیا جائے تاکہ نہ یہ گرے، نہ اتنی محنت کرے، نہ زیادہ ثواب لے۔ جو معمول کا ثواب ہے۔ وہی لیتا رہے۔ تو عملی زندگی میں ایسی تبدیلی آجاتی ہے کہ بندہ شیطان سے ڈرنے کی بجائے شیطان بندے سے ڈرنے لگتا ہے کہ یہ کیا الٹی مصیبت گلے پڑ گئی اور اللہ کریم انسانوں میں بعض خصوصیات پیدا کر دیتا ہے اور یہی ثواب ہوتا ہے۔ نفرت تک ... ین کی بات ہونے لگتی ہے بدکردار انسان نیکی کی طرف آنے لگتے ہیں۔ اسی کا نام ثواب ہے اور اس سارے مجاہدے کا خصوصاً رمضان المبارک کا حاصل ہی یہ ہے کہ تقویٰ نصیب ہو، جذبات شکر نصیب ہوں۔ اللہ کریم سے قرب نصیب ہو تو اس کا تجزیہ اس طرح کیجئے گا کہ تمہاری یہ ساری محنت، یہ سارے ذکر اذکار، سارے مراقبات کا حاصل کیا ہوا؟ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ احتساب اس وقت سے پہلے کرو جب تمہارا احتساب کیا جائے۔ جب اللہ کریم حساب لیں گے تو اس وقت تبدیلی کی گنجائش نہیں ہوگی۔

اب تم خود اپنے محاسب ہو۔ اپنا حساب خود کیا کرو کیونکہ اب تبدیلی کی گنجائش موجود ہے۔ اسلام انسانیت کا مذہب ہے۔ اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے وہ خاص اقوام کے لیے تھے، خاص علاقے کے لیے تھے، خاص وقت کے لیے تھے ان میں بعض ایسی باتیں بھی تھیں جو دوسروں کے لیے صحیح نہ بیٹھتی تھیں۔ دوسرے اس طرح نہیں کر سکتے تھے جیسے عیسائیت میں رہبانیت کا بڑا مقام تھا کہ کوئی شادی نہ کرے۔ تنہا رہے، جنگل میں چلا جائے صحرا میں چلا جائے۔ ذکر اذکار میں زندگی گزار دے۔ لیکن اسلام میں اس کی ضرورت نہ رہی۔ کیونکہ جب عیسیٰؑ کا نزول ہوا تو معاشرہ اتنا بگڑا ہوا تھا کہ سب تو تائب ہوتے سے رہے جو چند لوگ حضرت عیسیٰؑ سے ملے اللہ نے انہیں اس معاشرے سے کٹ جانے کی اجازت دے دی۔ اگر معاشرہ ان کی وجہ سے تبدیل نہیں ہو رہا تھا تو انہیں معاشرے سے الگ ہو جانے کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت اسلام میں بھی موجود ہے۔ اللہ نے اس سے منع نہیں فرمایا فرمایا کہ کسی جگہ کوئی شخص اپنی ساری محنت صرف کر کے یہ سمجھ لے کہ یہ لوگ نہیں بدلیں گے بلکہ مجھے ہی تبدیل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے تو پھر ان لوگوں سے بہتر طریقے سے الگ ہو جانا ہی بھلا ہے۔

لیکن اسلام میں ہر آدمی کے لیے رہبانیت کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ اسلام میں زیادہ اجر اس کے لیے رکھا ہے جو زیادہ حصہ عملی زندگی میں لے گا۔ صحابہ کرامؓ کے حالات دیکھیں۔ ایک ضعیف العمر صحابی تھے۔ ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے دوستوں سے فرمایا کہ میرے لیے کوئی رشتہ تلاش کرو۔ کوئی ایسی خاتون تلاش کرو۔ جو میرے ساتھ نکاح کر لے۔ دوستوں نے کہا۔ آپ ضعیف العمر ہیں۔ شادی کے قابل ہی نہیں ہیں تو کیا مصیبت پالیں گے؟ آپ کے بیٹے ہیں، بیٹیاں ہیں، گھر بار ہے۔ کہا مجھے اولاد کے لیے نہیں بلکہ شادی اس لیے کرنا ہے کہ میرے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک شخص کو بیوی بچوں کی ذمہ داریاں نہیں اور وہ عبادت کرتا ہے۔ دوسرا شخص جس پر گھریلو ذمہ داریاں ہیں۔ وہ بھی عبادت کرتا ہے تو ذمہ داریاں رکھنے والے شخص کی عبادت زیادہ اجر دیتی ہے۔ کہ وہ ذمہ داریاں پوری کر کے عبادت کرتا ہے تو میں کیوں اپنے اجر میں کمی آنے دوں؟ میں کیوں اپنی جان ذمہ داریوں سے بچاؤں؟ یعنی اسلام نے مخلوق سے الگ ہونے کے لیے نہیں بلکہ مخلوق میں بسنے کے لیے تربیت فرمائی ہے مسلمانوں کی اور چونکہ یہ ساری انسانیت کا مذہب ہے اور حضورؐ سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے انسانوں کے لیے، سارے ممالک کے لیے، ساری اقوام کے لیے۔ اس لیے اسلام کا سارا مدار انسان کی عملی زندگی پر ہے۔ اس میں اچھائی یا برائی کا معیار بھی اس کی عملی زندگی ہے۔ اسلام میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے کہ عملی زندگی صحیح نہ ہو اور وہ آدمی بہت پہنچا ہوا یا بڑا بزرگ ہو۔ یہ سارے غیر اسلامی تصورات ہیں کہ ہر پاگل، ہر بیوقوف، ہر بدکار، زانی، فاسق، فاجر، شرابی یا چرس

بھی کپڑے اتار دے سمجھ لیا کہ یہ ولی اللہ ہو گیا بلکہ اسلام مسلمان بنا کر بہترین انسان بناتا ہے۔ مسلمان ہونے کا مطلب ہے کہ جو انسانی اقدار ہیں۔ ان کا اعلیٰ درجہ انسان میں آجائے اور اچھے اخلاق، اچھی عادات، اچھے کردار کا مالک مسلمان ہو اور ولی اللہ یا اللہ کا مقرب بہتر مسلمان ہوتا ہے۔ مسلمان بہتر انسان ہوتا ہے اور ولی اللہ بہتر مسلمان ہوتا ہے۔

ربِّ جلیل نے ان آیاتِ مبارکہ میں یہ نقشہ اس طرح سے کھینچا ہے کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین و ....

اللہ نے تمہیں وجود بخشا، تمہیں بیویاں، اولاد، بیٹے، پوتے نسل، گھر، کاروبار اور ان سب کی ضروریات، یہ سب اللہ نے دیا ہے۔ انہیں چھوڑ کر بھاگنا نیکی نہیں ہے۔ کوئی یہ کہے کہ میں تو ساری رات نفل پڑھتا رہتا ہوں۔ بچوں کے لیے مزدوری کون کرے؟ میں سارا سال تبلیغ کے لیے پھرتا رہتا ہوں، بچوں کے لیے کون کام کرے؟ جو شخص اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا اس کی تبلیغ بھی گناہ ہوتی ہے نیکی نہیں اور گناہ کرنے سے دوسروں کی اصلاح نہیں ہوتی نیکی اور گناہ میں فاصلہ، اطاعت اور عدمِ اطاعت کا ہے۔ ظہر کی چار رکعت فرض ہیں۔ ہم وہی نماز پڑھتے ہیں لیکن چار کی پانچ کر لیتے ہیں تو وہی سجدہ، وہی رکوع، وہی آیات کے باوجود وہ گناہ ہو جائے گا اور اگر ہم اس کو عقیدہ بنا لیں کہ چار نہیں پانچ ہیں تو کافر ہو جائیں گے۔ یعنی اگر ہم چار کا انکار کر دیں اور کہیں کہ نہیں چار نہیں پانچ فرض ہیں تو یہ کفر ہو جائے گا۔ اگر ہم یہ عقیدہ نہ بنائیں لیکن کہیں کہ فرض تو چار ہیں لیکن میں چار کی چھ پڑھتا ہوں، آٹھ پڑھتا ہوں یا پانچ پڑھ کے سلام پھیر لیتا ہوں تو اس کا یہ ہو گا کہ گناہ تو الگ ہو گا۔ وہ چار بھی نہیں ہوں گی۔ اس لیے کہ دین اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت کا نام ہے۔ تو اگر اللہ کی اطاعت اور فرائض بھی چھوڑ دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنت پہ عمل بھی چھوڑ دیا تو نیکی کیسے بن گئی۔ کون سا عمل نیکی رہ جائے گا۔

فرمایا۔ اللہ کا یہ احسان ہے تم پر اس نے ایک ماحول، ایک معاشرہ ایک خاندان، ایک گھر دیا اور تمہیں انسانی تعمیر پہ لگا یا۔ کتنا کریم ہے وہ۔ وہ چاہتا تو بندے زمین سے اُگا سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو بندے درختوں پہ لگا سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو آسمان سے بندوں کی بارش برسا سکتا تھا۔ لیکن اس نے تمہیں تعمیرِ انسانیت کا سبب بنایا۔ تمہیں ایک بیوی عطا کی، پھر تمہیں اولاد عطا کی اور تم رب کے وہ بندے بن گئے جو تخلیقِ انسانیت کا سبب بن گئے۔ تمہیں اس نے ایسی ذمہ داری بخشی جو سب سے بڑی ذمہ داری تھی کہ بقائے نسلِ انسانی کا جو شعبہ تھا وہ اس نے تمہارے سپرد کر دیا۔ تمہارے وجود کو اس کا سبب بنا دیا۔ اُسی فریضے میں تم کوتاہی کر جاؤ تو پھر کرو گے کیا؟ یہ اتنی بڑی ذمہ داری اس نے تمہیں سونپی۔ اگر اسی ذمہ داری میں کوتاہی کرتے ہو تو پھر تم نیکی کیسے کرو گے۔ اتنا بڑا کام اُس نے تمہارے ذمہ لگا دیا تو یہ اس کا احسان ہے کہ اُس نے تم پہ اتنا بڑا اعتماد فرمایا کہ بندۂ مومن میرا اتنا اطاعت گزار ہے کہ نہ صرف میری عبادت کرے گا بلکہ میرے پیدا ہونے والے بندوں کی خدمت بھی کرے گا، اُن کی تربیت بھی کرے گا۔ انہیں میرے ساتھ جوڑے گا بھی۔ ان کے عقائد کی، اعمال کی، کردار کی وجود کی تعمیر کرے گا اور یہی تو بہت بڑا کام تھا جس نے تمہیں انسانی عظمت بخشی، تمہیں فرشتوں سے برتر مقام بخشا اور تمہیں اپنے قرب کے منازل سے نوازا۔ اسی میں اگر تم خیانت کر گئے، نہ بیوی کا حق ادا کیا نہ بچوں کی تربیت کی نہ ان کے لیے رزقِ حلال کمایا، اولاد اور تعمیرِ انسانیت کی بات تو دور کی ہے آج کل کے لوگ قصاب سے زیادہ اولاد کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں جس طرح قصاب دنبے کے پیچھے پڑا ہوتا ہے کہ یہ موٹا ہو، اس میں سے خوب گوشت نکلے، خوب پیسہ آئے۔

آج کل والدین بھی اولاد کو اس طرح ہی پالتے ہیں جس طرح قصاب بکرا پالتا ہے کہ اس کی ایسی تربیت کردوں کہ یہ زیادہ سے زیادہ پیسہ کما کر مجھے دے۔ جہنم جائے، کافر ہو جائے مشرک ہو جائے اس سے غرض نہیں۔ یہ بھگتتا رہے گا۔ لیکن میرے پلے زیادہ سے زیادہ پیسہ لے کر آئے۔ کتنی بڑی سنگدلی ہے کہ اولاد کی عاقبت کو بھول کر انہیں عقائد نہ بتائیں جائیں اعمال نہ بتائے جائیں۔ ان کی کردار کی تعمیر نہ کی جائے۔ خود انہیں پالنے میں حرام حلال کی تمیز نہیں کرتے۔ چوری کا، رہزنی کا، رشوت کا، حرام کا کما کر کھلاتے ہیں۔ اکثر شکایت کرتے ہیں لوگ۔ دیہات میں کم شہروں میں زیادہ۔ کہ بیٹا بہت بڑا افسر ہے لیکن اب میری پرواہ نہیں کرتا۔ تو میں کہا کرتا ہوں کہ بزرگو! آپ نے بھی بیٹے کی پرواہ کب کی۔ آپ نے بھی تو دُنبہ پالا تھا۔ اگر وہ رسا تڑا گیا تو آپ جانے ذبیں۔ آپ کا بھی تو سودا یہی تھا کہ پیسے ملیں گے۔ تو جتنے مل گئے وہ مل گئے۔ اب دفعہ کرو۔ بھول جاؤ۔ بیٹے کو بیٹا بنا کر پالا ہوتا آپ نے۔ بیٹا تو باپ سے دور نہیں ہوتا۔ جب میرے بچے چھوٹے تھے تو کئی دوستوں نے مجھے کہا کہ مری یا سوات میں اچھے سکول ہیں۔ وہاں داخل کرادو۔ میں نے کہا۔ یہ یہیں پرانے سکولوں میں پڑھیں گے۔ میرے ساتھ رہیں گے۔ جو میں سوچتا ہوں۔ وہی سوچیں گے۔ جو کھاتا ہوں یہ کھائیں گے جو میں کرتا ہوں یہ دیکھیں گے۔ یوں ان میں کچھ باتیں میرے جیسی آجائیں گی۔ وہاں جا کر صاحب تو بن جائیں گے لیکن بیٹے نہیں بنیں گے اور مجھے "صاحب" نہیں بنانا۔ تو یہ ایک ذمہ داری ہے جو رب کریم نے ہم پر احسان فرمایا اور اعتبار کیا کہ اتنا بڑا کام تم کر سکتے ہو۔

دنیا میں مکان بنانا، ہوائی جہاز بنانا، راکٹ بنانا، موٹر بنانا۔ یہ بڑا کام نہیں ہے۔ سب سے بڑا کام ہے انسان بنانا، اور اس نسل کی تربیت کرنا۔ اُس نسل کو حلال رزق مہیا کرنا۔ اُسے پاک اور صاف وطیب ماحول مہیا کرنا اور اس کے سامنے اپنا صحیح کردار پیش کرنا اور بہت بڑا کامیاب انسان وہ ہے جو یہ فریضہ باحسن طریقے سے ادا کر رہا ہو۔ فرمایا۔ تمہاری جانوں میں سے، تمہارے وجود میں سے، تمہاری نسل میں سے، تمہاری جنس میں سے تم جیسے ہی انسان کو تمہاری خدمت پہ لگا دیا۔ تمہاری بیوی بنا کر۔ وہ اللہ کی مخلوق نہیں ہے؟ وہ انسان نہیں ہے؟ اس کی جان نہیں ہے؟ اس میں حواس نہیں ہیں؟ اس کے اعضاء وجوارح نہیں ہیں؟ دل نہیں ہے؟ خواہشات نہیں ہیں؟ سب کچھ ویسا ہی ہے جو کچھ تمہارے اندر ہے اُسے تمہارا محتاج کر دیا، دست نگر کر دیا۔ تمہاری بیوی بنا دیا۔ تم چاہو تو غضب میں آجاؤ، چاہو تو پیار کر لیتے ہو۔ بات کر لیتے ہو، چاہو تو بات بے بات پر بگڑ جاتے ہو۔ لیکن کبھی تم نے سوچا کہ ہے تو یہ بھی انسان۔ اس کی خواہشات بھی ہیں، تمنائیں بھی ہیں، آرزوئیں بھی ہیں۔ بنانے والے نے تجھے حکمران بنا دیا اور اسے میرا دست نگر بنا دیا اور اس نے اپنے نام پر اسے میرے سپرد کر دیا۔ اللہ کے نام پر دو بول پڑھے گئے اور یہ ساری زندگی کے لیے میری مملکت میں آگئی۔ میری حکومت کے تحت آگئی تو وہ مالک جس نے تجھے اس پر اختیار دیا ہے وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے کہ میں نے اسے اختیار دیا ہے اور جس پر اختیار دیا ہے یہ اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے۔ اِسے دین سکھاتا ہے! اس کی دلی خواہشات اور تمناؤں کا خیال کرتا ہے؟ اس کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے؟ یا پھر انعام فرمایا۔ اولاد دے دی۔ بیٹے بیٹیاں دے دیں اور نسل چلا دی۔ پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں دے دیں۔ کتنا خوب صورت باغ اُگا دیا تمہارے صحن میں تمہاری گود کتنے پھولوں سے بھر دی تم کیا چاہو گے کہ ان سب کو مسل دو، ان سب کو مسخ کر دو۔ ان سب کی خاک اُڑ جائے؟ نہیں۔ یہ مسلمانی نہیں ہے۔ یہ اطاعت نہیں ہے اللہ کی۔ تو کیا لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں جھوٹ

ے، چوری سے، بدکاری سے، غبن سے، ڈاکے سے روپیہ جمع کرتے ہیں اب اس طرف لوگوں کا ایمان چلا گیا کہ اس طرح ہم زیادہ آسودہ حال ہوں گے۔ اس طرح سے زیادہ خوش حال ہوں گے، اس طرح سے زیادہ نامور ہوں گے۔ اس طرح سے زیادہ عزت پائیں گے اور اس طرح سے حکومت کریں گے اور اللہ کے احسانات بھول گئے جس نے تمہیں گھر دیا، جان دی، مال و اولاد دیئے، اقتدار دیا، طاقت دی۔ قدرت دی، رعب دیا ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ جس نے اتنے احسان کیے اس کی عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی امیدیں مخلوق سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ ان کی غلامی میں دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنَ اللہ۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی اس حد تک اطاعت کرتے ہیں کہ وہ عبادت بن جاتی ہے۔ ہر وہ اطاعت جو اللہ کی نافرمانی پر منتج ہو دوسرے کی عبادت بن جاتی ہے۔ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کے لیے اطاعت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کے حکم کے خلاف کسی مخلوق کی بات ماننے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور پھر اگر کوئی لوگوں کے، بندوں کے یا اللہ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ امیدیں وابستہ کر بھی لیتا ہے تو دولت، نعمت، علم، طاقت، اللہ کے بغیر دوسرا کوئی کسی کو دے نہیں سکتا۔ چھوٹے سے چھوٹا کوئی ذرہ کسی نعمت کا مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وہ نعمت آسمانی ہے یا زمینی ایک رائی برابر کوئی چیز اللہ کے علاوہ کوئی کسی کو دے نہیں سکتا اور کبھی ایسا ممکن نہیں ہو سکتا۔ جو ملتا ہے ہر متنفس کو اللہ سے ملتا ہے۔ اور اسی کی اطاعت چھوڑ کر دوسروں کی تابعداری پر کمربستہ ہو جاتا ہے اور پھر لمبی باتیں اور بحثیں کرتے اور مثالیں دیتے ہیں کہ مجبوری ہے اور فلاں نے یہ کیا تو اتنا پایا۔ اللہ کو کہانیاں مت سناؤ۔ اللہ کریم سب حالات کو، سب واقعات کو خوب جانتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کس بات پہ لوگوں کو حسرت ہے؟

میں نے ساری دنیا پھر کر دیکھا ہے۔ برطانیہ میں، امریکہ میں، یورپ میں۔ جو لوگ وہاں نصف نصف صدی سے بیٹھے ہیں اُن کے دل میں یہ حسرت ہے کہ کاش ہم یہاں سے واپس جا سکیں۔ اُن بے چاروں کی نسلیں بگڑ گئیں، عزت چلی گئی۔ اپنا وجود کھو گیا۔ ہر ملک کا ایک ECONOMIC SYSTEM (معاشی نظام) ہے۔ جس میں سے پیسہ نکال کر لانا ممکن نہیں کر ساری FAMILY (خاندان) ہار کر۔ والدین پیچھے سے مر گئے، یہاں کے مکانوں پہ رشتہ داروں نے قبضہ کر لیا کہ اگر آ گئے تو گولی مار دیں گے، وہاں کے لوگ روز ان کے خلاف ایجیٹیشن کرتے ہیں کہ ان سب کو نکالو۔ انہوں نے ہماری معیشت تباہ کر دی۔ بیٹیاں گئیں، بیٹے گئے۔ کوئی قابو نہیں آتا، کوئی بات نہیں سنتا۔ یہاں میرے پاس ایک صاحب آئے۔ بوڑھے آدمی ہیں۔ بیوی فوت ہو گئی ہے۔ ایک بیٹا ہندو ہو گیا، ایک عیسائی ہو گیا۔ خود آ کر چترال شادی کی عمر کوئی ۷۰ سال کے قریب ہے۔ خواہش تھی کہ اللہ بیٹا دے دے۔ لاہور گئے۔ اللہ نے بیٹیاں دے دیں۔ بولے گناہ ابھی باقی تھے۔ مجھے اور سزا ملی۔ یہ ہے جو ساری عمر برطانیہ میں رہ کر کمایا۔ تو کیوں آدمی اس قدر دھکے کھاتا رہا۔ کیا حاصل ہوا؟ تو سب کو حسرت اُدھر جانے کی ہے۔ وہاں جا کر یہ حشر ہوتا ہے۔ جب موت آتی ہے تو وجود گناہوں سے برائیوں سے بھرا ہے۔ فرشتے قریب آنے سے کتراتے ہیں تو دوزخ کے فرشتے کو بلاتے ہیں کہ یہ تمہاری آسامی ہے دوزخ والے بھی کہتے ہیں! تو انسان تھا، تجھ میں عقل تھی، شعور تھا۔ تو نے ایک جہان کو مرتے دیکھا تو تو کیا کرتا رہا۔" وہ کہتا ہے "میں کیا کرتا؟ وہاں تو سارا معاشرہ ایسا تھا، ماحول ایسا تھا، کھانے کو حلال نہیں ملتا تھا۔ بات کوئی سچی نہیں کرتا تھا، حلال حرام کی تمیز نہیں تھی۔ جائز ناجائز میں امتیاز نہیں تھا۔" تو فرشتے بھی اُسے کہتے ہیں۔

"اللہ کی زمین نہیں تھی۔ و تو ھاجر نبیھا آج تو ساری خدائی چھوڑ رہا ہے اللہ کی اطاعت کے لیے بروں کی جگہ چھوڑ کر کہیں نیکی کی طرف چلا جاتا، ہجرت کر جاتا۔ جہاں کفر تھا، جہاں برائی تھی، جہاں ظلم تھا تو وہاں سے نکل جاتا۔ کوئی نیک معاشرہ تلاش کر لیتا، کوئی اچھا ماحول تلاش کر لیتا۔ تجھے کیا مجبوری تھی؟ کیا اللہ کی زمین کم پڑ گئی تھی اور آج تو تو ساری خدائی چھوڑ رہا ہے تو تو کیوں نہ پہلے ہی چھوڑ گیا وہ جگہ۔"

ہم یہاں دنیا کے لیے، کفرستان میں پھنسنے کے لیے بیتاب بیٹھے ہیں۔ تو حق یہ ہے کہ فائدہ اس میں ہے کہ وہ ذمہ داریاں جو زندگی میں اللہ نے ہم پر عائد کی ہیں۔ کسی کو ملک دے دیا تو اس سے ملک کا سوال بھی ہوگا۔ کسی کو چند سو افراد پہ اقتدار دے دیا تو اس سے چند سو کا سوال ہوگا۔ کسی کو صرف گھر دیا تو اس سے گھر بارے پوچھا جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر کوئی حکمران ہے اور ہر ایک سے اس کے اپنے دائرۂ اختیار کے اندر جو کچھ ہے اس کا سوال ہوگا۔ تو فرمایا: اللہ کے سامنے باتیں نہ بناؤ۔ مثالیں نہ دیا کرو۔ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اللہ ہر بات جانتا ہے۔ جاہل نہیں ہے۔ نہ جاننا انسانی خصوصیت ہے۔ اللہ کو سمجھانے کی کوشش نہ کرو بلکہ احکام الٰہی کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ فرمایا۔ اللہ مثال کے طور پر فرماتے ہیں۔ ایک بندہ جو کسی کا مملوک ہو۔ کسی کا زر خرید ہو "لا یقدر علیٰ شیءٍ" اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا اور دوسرا ایک بندہ ایسا ہو "و من رزقنہ منا رزقا حسنا" جسے ہم اپنے پاس سے بہترین روزی دیتے ہیں "فھو ینفق منہ سرا وجھرا" اور وہ ہماری پسند کے مطابق اُس روزی کو، اس موت کو، اس اقتدار کو، اس دولت کو، اس علم کو "ھل یستون" کیا انجام کار یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک بندہ خواہشات کا غلام ہی، دولت کا پرستار ہی، ایک بندہ اقتدار کا ہوس دار ہی، کسی نہ کسی غلامی میں جکڑ کر وہ اپنی پسند سے کچھ نہیں کر پاتا۔ ہر کام اپنی اس خواہش کو مدنظر رکھ کر پاتا ہے کہ کہیں وہ ڈسٹرب نہ ہو جائے ذلت اٹھاتا ہے، رسوائی اٹھاتا ہے مجھے یاد ہے ایک دن حضرتؒ تشریف فرما تھے۔ ان دنوں ایجی ٹیشن ہو رہا تھا کسی کے خلاف مجھے یاد نہیں بھٹو کے خلاف تھا یا ایوب خاں کے خلاف۔ لیکن لوگ بڑا واشگاف برا بھلا کہتے تھے، جلوس نکالتے تھے حضرتؒ فرمانے لگے "عجیب بات ہے کہ یہ لوگ کیوں یہ اقتدار لیتے ہیں۔ یہ صدر اور گورنر کیوں بنتے ہیں۔ جب یہ سمجھتے ہیں کہ لوگ انہیں اتنا برا سمجھتے ہیں اور لوگ اتنی توہین کرتے اور گالیاں دیتے ہیں۔ اتنی گالیاں کھا کر صدر کہلانے کا یا گورنر بننے کا انہیں کیوں شوق ہے؟ ان کا ضمیر مر تو نہیں گیا۔" یہ وہی بات ہے کہ اقتدار کی خواہش کے پیچھے لوگ اتنے دیوانہ ہو جاتے ہیں۔ کیا عجیب بات نہیں۔ کبھی آپ نے یہ سوچا کہ جو بھی اقتدار میں آتا ہے اُسے حفاظت کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اس کے گرد گارڈ کھڑی ہو جاتی ہے کہ اسے مار ڈالیں گے۔ کیوں؟ کیا اس نے چوری کی ہے؟ ڈاکہ ڈالا ہے؟ کسی کا مال لوٹ لیا ہے؟ کیوں لوگ ماریں گے؟ ہر بندہ اس کی حفاظت کیوں نہیں کرتا۔ صلاح الدین ایوبیؒ کی سوانح پڑھیے تو اُن کے جو ذاتی باڈی گارڈ تھے۔ ان میں بھی لوگوں نے جاسوس بھرتی کروائے۔ فدائین تک منگوا کر عیسائیوں نے شامل کئے۔ انہیں شہید کرنے کے لیے۔ لیکن وہ شخص ہر ایک سے بازی لے جاتا۔ اس نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی۔ ایک عام آدمی کی طرح رہنا۔ عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور بڑا معرکہ مارا کہ پوری دنیائے عیسائیت ایک طرف اور بے شمار مسلمان حکمران عیسائیوں کی خدمت پہ لگے ہوئے مگر اس کے باوجود اس نے بیت المقدس آزاد کرالیا۔

آج ہر ملک میں جلوس نکلتے ہیں لیکن بیت المقدس کی طرف منہ تو کوئی نہیں کرتا۔ یا کوئی دن منا لیتے ہیں۔ جلوس نکال لیتے ہیں۔

کھا پی لیتے ہیں، دیگ پکا لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کرتے بلکہ اَب تو بیت اللہ کو خطرہ پڑ گیا تھا۔ صدام حسین سے تو اس کی حفاظت کے لیے یہودی منگوائے گئے تھے۔ اب تو زمانہ ہی بدل گیا ہے۔ مسلمانوں کی غیرت کا جنازہ ہی نکل گیا ہے یعنی اندازہ کریں۔ اسلام کی اور مسلمانوں کی جو RELATION SHIP (باہمی تعلق) تھی وہ کہاں تک جا پہنچی؟ تو خواہشات کے غلام جو نام کے مسلمان ہو جاتے ہیں ان کا حشر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس بات کو یوں سمجھ لو کہ ایک انسان جو کسی کا مملوک ہے کسی بندے کا ہے، کسی خواہش کا ہے۔ کسی تمنا کا ہے۔ لا یقدر علی شیء اَب اس تمنا یا خواہش سے نکل کر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہر کام جو کرتا ہے اُسے مدِ نظر رکھ کر کرتا ہے اور دوسرا اللہ سے آزاد روزی پاتا ہے۔ صرف اللہ کی عبادت کر کے، صرف اللہ کو راضی کر کے تو صرف اللہ کے مقرر کردہ فرائض پورے کرتا ہے۔ اللہ اُسے خوب صورت رزق دیتا ہے اور وہ اللہ ہی کے بتائے ہوئے طریقے سے خرچ کرتا ہے۔ "انفاق" ہوتا ہے خرچ پر بھی وہ قید باقی رکھنا جو اللہ نے لگائی ہے۔ اسلام کا اپنا . . . ECONOMIC SYSTEM ہے۔ دُنیا کے جتنے . . . ECONOMIC SYSTEM ہیں وہ پیسہ کمانے تک ہیں۔ کہ کمایا کیسے جائے گا۔ حکومت کو ٹیکس کتنا دیا جائے گا۔ معاشرے کو کتنا ٹیکس دے گا باقی کمانے والے کے پاس کتنا بچے گا اور بس۔ لیکن اسلام دنیا کا واحد فلسفۂ حیات ہے اور صرف اسلام کا معاشی نظام ایسا ہے کہ جو اُس کے پاس بچتا ہے اس کی ایک ایک پائی خرچ کرنے کے لیے بھی اسلام اس کے ساتھ ہے صرف اسلام کے معاشی نظام میں ہے کہ جو کمانے والے کے پاس بچ گیا، اس کا ایک ایک پیسہ وہ کہاں کہاں خرچ کرے گا۔ وہاں تک وہ اُس کے ساتھ جاتا ہے اور اسی کو انفاق کہتے ہیں۔ فرمایا: هَلْ يَسْتَوُونَ کیا ان دونوں کو برابر سمجھتے ہو کہ میدانِ حشر میں اٹھیں گے تو دونوں ایک جیسے ہوں گے۔ ایک کو بھی ثواب ملے گا اور دوسرے کو بھی ثواب ملے گا۔ ممکن نہیں۔ الحمد للہ سب کمال اللہ کے ہیں۔ سب خوبیاں اسی کو سزاوار ہیں۔ واکثرھم لا یعلمون، لیکن لوگوں کی اکثریت جانتی نہیں ہے۔ علم سے بے بہرہ ہے۔

اگر تمہیں دو خادم دے دیئے جائیں ایک خادم تمہارا نہ تمہاری بات سنے، نہ تمہاری بات سمجھے نہ وہ کام کرے۔ جو تم کہو۔ جدھر جائے نقصان کر کے آجائے اور دوسرا بغیر تمہارے حکم کے پاؤں نہ ہلائے۔ جو حکم دو اُسے خوب صورت طریقے سے پورا کرے کیا تم اُن دونوں کو ایک سا سمجھو گے؟ فرمایا کہ میرے بھی تو تم سب بندے ہو۔ ایک اس طرح کا ہے کہ میرے ساتھ اس کا عقیدہ بھی صحیح نہیں۔ میری بات بھی نہیں سنتا جو میں کہتا ہوں وہ کرتا بھی نہیں ہے اور جدھر جاتا ہے میری نافرمانی کر کے آتا ہے دوسرا جو ہے اس کا مرنا، جینا، سونا، جاگنا، اُٹھنا، بیٹھنا میرے حکم کے مطابق ہے تو تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ دونوں ایک جیسے ہوں گے؟ ہرگز نہیں کسی غلط فہمی میں مت رہو۔ یہ ثواب نام کا کوئی جانور نہیں ہوتا جو آگے جائیں گے تو بڑے بڑے ثواب بندھے ہوئے ہوں گے ثواب اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ کی رضامندی سے پیدا ہوتی ہے اور وہ کیفیت جب بندے کو نصیب ہوتی ہے تو اس میں مثبت تبدیلی آجاتی ہے۔ ثواب ملا صحابہ کرامؓ کو جب اللہ کے نام سے کوئی واقف نہ تھا۔ سارے کے سارے صحابی ہو گئے سارے کے سارے روشن ضمیر ہو گئے۔ "ثم تلین جلودھم و قلوبھم ذکر اللہ" کھال سے لے کر نہاں خانۂ دل تک ہر ذرۂ بدن ان کا ذاکر ہو گیا۔ اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے، اللہ نے ان سے خدمت لی۔ اپنی مخلوق تک اپنی بات پہنچانے کے لیے انہیں زبانِ نبوت بنا دیا، ترجمانِ رسالت بنا دیا۔ انہیں شہادتیں عطا فرمائیں، انہیں غازی بنا دیا اور انہیں دو عالم میں سربلندی عطا کی۔ حتیٰ کہ ان کی دیانت پر یقین رکھنے کو جزوِ ایمان

بنا دیا اور انہیں قیامت تک کے لیے متبوع بنا دیا مخلوق کا۔ بعد میں آنے والوں کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ اُن کی غلامی اختیار کریں۔ اسے ثواب کہتے ہیں۔ ہمارا ثواب یہ ہوگا کہ اللہ کریم ہم پہ احسان فرمائے ہماری عملی زندگی میں خوب صورت تبدیلی پیدا فرمائے۔ ہم والدین کی خدمت کرسکیں۔ اپنے بہن بھائیوں کا حق ادا کرسکیں۔ ہم اولاد کی تربیت کرسکیں۔ ہم بیویوں سے محبت کرسکیں۔

لوگوں میں ایک بڑی عجیب بات ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک عورت آگئی ہمارے قابو اور شاید اسے قدرت نے سزا دی ہے ہماری بیوی بنا کر۔ بالکل ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ خاوند یہ سمجھتا ہے کہ یہ کوئی ایسا قیدی میرے قابو آگیا، کہ اب مجھے اسے ہمیشہ ڈنڈے لگا کر سیدھا رکھنا ہے۔ نبی اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ دیکھو۔ سبزی لا دینا، سبزی کاٹ دینا، آٹا تک گوندھ دینا ثابت ہے۔ محمد رسول اللہ کو جلدی ہے حضورؐ غزوہ پہ جانے کے لیے تیار ہیں۔ فرمایا "عائشہ کھانا جلدی چاہیئے تھا۔ آپ نے دیر کردی۔ چلو ایسا کرو۔ آپ آگ جلاؤ، سالن گرم کرو۔ میں آٹا گوندھ دیتا ہوں۔ کام جلدی ہو جائے گا۔" انسان ہے۔ اللہ کی مخلوق ہے۔ اس میں وہ احساس ہے، وہ شعور ہے، وہ جذبات ہیں تو اگر آپ کے ذمے اُسے کر دیا۔ آپ کے ہاتھ میں اسے دے دیا۔ آپ کی خدمت پہ اسے لگا دیا۔ تو یہ لگانے والے نے اُسے سزا نہیں دی۔ آپ کا حصہ بنا دیا کہ آپ مل کے ایک خوبصورت انسانیت پیدا کریں اور اچھے افراد دیں معاشرے کو۔ تو آپ اگر اس کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتے تو آنے والی نسل کے ساتھ کون انصاف کرے گا؟ اور ان کی اصلاح کیسے ہوگی؟ تربیت کیسے ہوگی؟ اور آج تو یہ ہمیں نوکرانیاں لگتی ہیں۔ میدانِ حشر میں پتا چلے گا۔ حضرتؒ اکثر یہ حدیث بیان فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک ایک عورت چار چار مردوں کو اپنے ساتھ جہنم میں لے کر جائے گی، اکیلی نہیں جائے گی۔ باپ کو، بھائی کو، خاوند کو، بیٹے کو ان چاروں کو عورت اپنے ساتھ پکڑ کر لے جائے گی۔ باپ سے پوچھا جائے گا تو نے اس کی تربیت کی؟ بھائی سے پوچھا جائے گا کہ اگر یہ کفر شرک یا بدعات میں گمراہ رہی تو تو نے اسے بتایا تھا کہ دین کیا ہے؟ پھر خاوند کے پاس چلی گئی تو اس سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے اسے بتایا تھا حرام حلال، نیک بد، ذکر اذکار یا فرائض وغیرہ کے بارے اسے کچھ سمجھایا تھا؟ پھر بیٹے کی باری آجائے گی کہ تیری تو ماں تھی تو ہی اس پہ رحم کرتا تو ہی اسے سمجھاتا، تو ہی اسے بتاتا لیکن اگر نہیں بتایا تو تم چاروں اس کے جہنم جانے کے ذمہ دار ہو۔ تم بھی چلو۔ تو یہ ہمارے ہاں جو ایک رواج ہے جو شاید یہ ہے کہ حکومت محکمے بناتی ہے۔ ہر محکمہ اس لیے بنایا جاتا ہے کہ عوام کی سہولت کا کام کرے۔ لوگوں کو کچھ آزادی اور سہولتیں ہوں اور دوسرے باہر کے ممالک میں دیکھا ہے کہ واقعی ہر محکمہ اپنے کام لوگوں کے گھر جا کر کر دیتا ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں آپ کو ٹیلیفون چاہیئے۔ آپ ٹیلی فون کے محکمے کو ایک ٹیلی فون کردیں۔ آپ فارغ ہیں۔ ان کا کام ہے وہ آئیں گے۔ آپ کے گھر ٹیلیفون لگا کر نمبر دے کر چلے جائیں گے۔ آپ کو بجلی کی ضرورت ہے آپ نے انہیں ٹیلی فون کر دیا باقی کام اُن کے محکمے کی ذمہ داری ہے کہ وہ کریں۔ یہاں ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ جو محکمہ بنتا ہے۔ وہ کہتا ہے اب قابو آئے۔ اب میرے پاس آنا تو میں تم سے نمٹ لوں گا۔ یعنی وہ ہماری سزا بن کر مسلط ہو جاتا ہے لوگوں پر۔ جتنے محکمے بنتے ہیں اتنی دشواریاں بنتی چلی جاتی ہیں۔ اتنی زیادہ رشوت دینی پڑ جاتی ہے اتنے زیادہ لوگوں کو راضی کرنا پڑ جاتا ہے۔ یہی حال مردوں کا اور خاوندوں کا ہے۔ نہ اولاد کی پرواہ ہے کہ یہ کہاں جائیں گے۔ پالنے پوسنے کا فکر نہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے زمانے میں ایک خاتون کا لڑکا تھا۔ اس نے زہر کھا کر خودکشی کرلی۔ اس کی

لاش کسی پارک میں پڑی تھی۔ زہر کی شیشی پاس پڑی تھی وہ خاتون مولانا لاہوری کی عقیدت مند تھی تو وہ دعا کرانے گئی "کہ میرے بیٹے کو کیا ہوا؟ اس پہ توجہ کریں۔" مولانا عمر کے آخری تین چار سالوں میں صاحب مشاہدہ تھے۔ انہوں نے بتادیا کہ وہ تو دوزخ میں ہے۔ میں دوزخ میں کیا توجہ کروں گا؟ اس نے جب درخواست کی تو انہوں نے کہا بی بی میری توجہ دوزخ میں کیا کرے گی؟ وہ بہت روئی پیٹی کہ دعا کریں تو انہوں نے فرمایا کہ جب تیرے پاس تھا تو تُو نے یہ سوچا تھا کہ یہ کس سمت جا رہا ہے؟ تُو نے تو خود اس کے دوزخ جانے کا سامان کیا۔ تُو نے اسے یہاں لندن بھیجا جہاں کھانے کو حرام، پینے کو حرام، معاشرہ گناہ کا، بدکاری کا۔ پھر یہاں بھی اس پہ اتنا اثر ہوا اس کھانے کا کہ وہ خودکشی کر گیا۔ موت بھی حرام کی۔ تو اب میری پیری فقیری اس میں کیا کر سکتی ہے؟ تُو نے تو سارے انتظام کیے تھے اس کے جہنم جانے کے۔ تو اسلام نام ہے اپنی ذمہ داری کو اچھے طریقے سے پورا کرنے کا اور صوفی بہتر مسلمان ہوتا ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ جو ذمہ داریاں چھوڑ دے وہ بڑا ولی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس کا کام کیا رہ جاتا ہے؟ بعض اہل اللہ کے سوانح میں ملتا ہے جس سے لوگوں کو یہ غلطی لگتی ہے کہ فلاں بزرگ فلاں جنگل میں چلے گئے۔ آپ اس کی وجہ پڑھیں گے تو دو میں سے ایک وجہ ضرور ہوگی یا تو اس معاشرے میں، اس دور کے حکمرانوں نے، اس دور کے بااثر لوگوں نے انہیں شہر بدر کر دیا۔ انہیں شہر میں آنے نہیں دیتے تھے تو پھر باہر ہی رہنا تھا یا پھر ان کا ہوش ساتھ چھوڑ گیا۔ سب سے مشکل کام ہوتا ہے کہ تجلیات باری بھی کسی کے دل میں ہوں اور اس کے ہوش بھی سلامت رہیں، حواس بھی سلامت رہیں۔ یہ منزل ہوتی ہے انبیاءؑ کی۔ سب سے زیادہ قرب اللہ کے نبی کو حاصل ہوتا ہے اور سب سے زیادہ عام انسان کی سطح پر نبی زندگی گزارتا ہے۔ اسی لیے ہر جیدا ہا، جاہل، ان پڑھ بھی نبی کے اتباع کا مکلف ہوتا ہے کہ نبی اس سطح پر زندگی نہیں گزارتا جس پر کوئی بہت پڑھے لکھے لوگ ہی زندگی گزار سکیں۔ نبی عام انسان کی سطح پر زندگی گزارتا ہے۔ نبی کا اٹھنا بیٹھنا، سونا، جاگنا، لباس، کھانا، پینا ایسا ہوتا ہے کہ ہر جاہل اور ان پڑھ بھی اس کا مکلف ہے کہ ایسے رہو جیسے نبی رہتا ہے تو سب سے بڑا کمال یہ ہوتا ہے کہ باہوش رہ کر عام انسانی زندگی گزاریں۔ اس کے باوجود کہ اس کے دل میں تجلیات باری بھی ہوں۔ لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ہر شخص پہ کسی نہ کسی مقام پر جا کر جذب وارد ہو جاتا ہے۔ کسی نہ کسی درجے پر جا کر ایک حالت نیم بے ہوشی کی آ ہی جاتی ہے۔ آخر انسان ہے۔ سوائے نبیوں کے۔ نبیوں کو کبھی جذب نہیں ہوتا۔ سب سے زیادہ تجلیات باری نبی کے دل پر ہوتی ہیں اور نبی پر کبھی جذب نہیں ہوتا۔ نبی ہمیشہ ہوش و حواس میں رہتا ہے یا پھر پوری امت میں جب نبی اکرمؐ کا وصال ہوا تو فاروق اعظمؓ جیسے انسان پر سفر غالب آ گیا اور چلا کر کہا۔ جس نے کہا حضورؐ فوت ہو گئے ہیں گردن اڑا دوں گا۔ یہ ہوش کی بات تو نہ تھی۔ صرف ابوبکر صدیقؓ تھے جن کے اس حالت میں بھی ہوش و حواس سلامت رہے۔

اگر کسی ولی اللہ پہ سفر غالب آ جائے اور وہ آبادی چھوڑ کر یا کام چھوڑ کر نکل جائے تو ہم اس کے اتباع کے مکلف نہیں رہتے۔ صاحب ہوش کسی صاحب سفر کے اتباع کا مکلف نہیں ہوتا۔ اس سے اس کے حواس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ دوسری عجیب بات یہ ہے کہ جتنے لوگ گوشہ نشین ہو گئے۔ وہ جس منزل، جس مراقبے، جس مقام پر گوشہ نشین ہوئے تھے اس سے آگے ان کی ترقی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ ترقی کا مدار ان معاملات پر ہے جو آپ مخلوق میں رہ کر کرتے ہیں۔ وہ معاملات ہی منقطع ہو گئے۔ اگر ایک شخص کسی سے بات ہی نہیں کرتا تو اس کو سچ بولنے کا ثواب کیسے ملے گا؟ جھوٹ سے بچنے کا ثواب کیسے ملے گا؟ ایک شخص ساری عمر درختوں سے پتے توڑ کر کھاتا رہا تو اسے رزق حلال کمانے، اس کے وسائل اختیار کرنے اور اس کے لیے محنت کرنے کا ثواب کہاں سے آئے گا۔

ایک شخص بیوی بچوں کی دال روٹی کا سامان نہیں کرتا جس شخص نے شادی ہی نہیں کی تو اس کے لیے اُسے ثواب کہاں سے آئے گا۔ اس لیے ان کی ترقی ان منازل سے آگے نہیں ہوئی جن پہ وہ آبادی سے نکلے۔

سب سے بڑا کام یہ ہے کہ مسلمان بہتر انسان ہوتا ہے ولی اللہ بہتر مسلمان ہوتا ہے اسے اپنی محنت کا اپنے مجاہدے کا اپنے تمام مراقبات اور ذکر اذکار کا، تمام تسبیحات کا ثواب اپنی زندگی کی عملی تبدیلی میں تلاش کرنا ہوگا۔ اگر اللہ نے ہمیں اصلاح کی توفیق دے دی اور زندگی کا سفر برائی سے نیکی کی طرف شروع ہو گیا تو یہ نہیں ضائع جائے گا۔ یہ بھی ایک درجہ ولایت کا ہے اور ہر مسلمان ولی اللہ ہوتا ہے۔ "اللہ ولی الذین آمنو یخرجو من الظلمت الی النور" یہی دلیل ہے ولایت کی کہ اس کا سفر ظلمت سے نور کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ کی ولایت ہر مومن کو حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایمان نصیب ہوتے ہی وُہ ظلمت سے نور کی طرف سفر شروع کر دیتا ہے۔ "والذین کفر اولیا الطاغوت" کفر دو طرح کا ہوتا ہے۔ عقیدے کا کفر (اللہ اس سے پناہ میں رکھے) اور عمل کا کفر بھی ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی، اس نے کفر کیا۔ علمائے حدیث فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہو گیا جب تک نماز کا انکار نہ کر دے۔ لیکن نماز چھوڑ دینا یہ عمل ایسا ہو گیا جیسا کافر کا ہوتا ہے۔ یہ عملی کفر تھا۔ عقیدے میں تو وہ نماز کو فرض سمجھتا ہے۔ نماز اگر اس نے چھوڑ دی تو اس نے عملی کفر کیا۔ عقیدہ اگرچہ اس کا باقی ہے۔ فاسق و فاجر ہے۔ کافر نہیں ہوا۔ لیکن عملاً اس نے عمل کفر کا کیا۔ تو فرمایا جو کفر کرتا ہے عمل کا کرے یا عقیدے کا کرے۔ کفر پہ شیطان کی دوستی بڑھتی ہے۔ "الذین کفرا اولیا الطاغوت یخرجون من النور الی الظلمت" کفر کا سفر بدستور نیکی سے بدی کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اس طرف چل پڑتا ہے پہلے نماز میں نوافل پڑھتا تھا وہ چھوڑ جاتے ہیں۔ ذکر کرتا تھا وہ چھوٹ گیا، اوقات میں کمی آ گئی۔ فرائض چھوٹنے لگے۔ پانچ سے چار کیں۔ چار سے تین کیں، تین سے دو۔ اس طرح چھوٹتے چھوٹتے وہ وقت آتا ہے کہ وہ نیا عقیدہ لے کر بیٹھا ہوتا ہے۔ اگر اللہ بچائے نہیں کہیں رکاوٹ نہ بنے۔ کہیں توبہ کی توفیق نہ ملے تو پھر لوگ کیوں مسلمانوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں اور مرتے کفر پر ہیں۔ اسی طرح بتدریج جاتے ہیں اور بعض لوگ بدکاروں کے ہاں پیدا ہوتے ہیں اور اللہ انہیں نیکی کی توفیق دے دیتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف آ جاتے ہیں تو عملی زندگی ہی معیار ہے ثواب کا اور گناہ کا۔

اللہ کریم سے دعا کرتے رہنا چاہیئے اور بندے کے ذمے ہے کہ جو اس کے بس میں ہے وہ کوشش کرے۔ آخری بات جو میں عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ دعا تو ہر کام کے لیے ہر لمحے، ہر آن کرنی چاہیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ کریم سے مانگو۔ لیکن دعا کا قاعدہ یاد رکھیئے۔ ہم دعا کرتے ہیں اور عمل چھوڑ دیتے ہیں۔ عمل نہ کرنا اور دعا کرنا گستاخی ہے۔ ایک شخص شادی نہیں کرتا اور دعا کرتا ہے اللہ مجھے اولاد دے تو یہ دعا نہیں گستاخی ہے۔ اللہ نے ایک قاعدہ بنایا ہے کہ شادی کرو، گھر بساؤ اور دعا کرو۔ اللہ اولاد بھی دے۔ نبی رحمتؐ کی دعا سے معرکہ بدر فتح ہوا اور روئے زمین پر اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی۔ ایک انقلاب کی بنیاد پڑی۔ تو جب دُعا ہی سے فتح ہونا تھی تو دعا تو مدینہ طیبہ میں بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن جو لوگ تھے انہیں ہمراہ لیا۔ جتنا ممکن تھا سفر کیا۔ جو ذریعہ تھا وہ سارے وسائل کر کے آپؐ نے دعا فرمائی کہ بار الہٰی فتح دینا تیرا کام ہے۔ ساری حیاتِ طیبہ میں آپ دیکھ لیں۔ سارے اسباب ظاہری جو آپؐ کے بس میں ہوتے تھے حضورؐ اختیار فرماتے تھے پھر اللہ سے دعا فرماتے تھے۔ یہی طریقہ دعا کا ہے کہ جو اپنے بس

یں ہے وہ بہت ہے یا تھوڑا اُسے اختیار کیا جائے۔حضرت
ذکریاؑ دعا فرماتے۔
کریا اللہ بڑھاپے کا شعلہ چوٹی سے نکل گیا۔بیوی میری بانجھ
ہے۔اعضا و جوارح کام کرنا چھوڑ گئے ہیں۔ہمارے پاس کچھ بھی
بچا نہیں۔لیکن بات یہ ہے کہ میرا کوئی ایسا جانشین نہیں ہے۔جو
دین کو سنبھالا دے سکے۔یہ لوگ بدکار ہیں۔مجھے ایک نیک بیٹا
عطا فرما۔لیکن سارے اسباب آپ نے بیان کئے کہ میرے جو بس میں
ہے وہ تو میں کروں گا۔یہ اسباب مجھ سے چھوٹ گئے جو مجھے اس کے
لیے چاہئیں تھے۔لیکن تُو تو قادر ہے۔میری طاقت محدود ہے۔لیکن
تیری لامحدود ہے تُو تو کر سکتا ہے۔"جو وسائل نہ ہوں وہ تو الگ بات
ہے۔اللہ سے دعا کرو۔اللہ یہ میرے بس کی بات نہیں تھی یہ تو
تیرے بس کی ہے تُو کر دے۔جو میرے بس میں تھی جس کی توفیق تُو
نے مجھے دی وہ میں نے تجھے کر کے کہا ہے۔عملی زندگی میں اسلام کی
بدنامی کا سبب مت بنیئے۔اپنے کردار سے یہ ثابت کیجئے کہ مسلمان
بہترین انسان ہوتا ہے۔اللہ نے ہمیں توفیق بخشی ہے ہم رب رب
بھی کرتے ہیں۔ذکر اذکار بھی کرتے ہیں تو یہ شعبہ بہت نیک لوگوں
کا تھا۔ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمیں دیکھ کر صوفیوں کو، بزرگوں کو، اہل اللہ
کو بھی بدنام کریں کہ یہ اس طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔تو اپنا محاسبہ
اس انداز سے کرتے رہیئے۔جہاں تک تعلق رحمتِ باری کا ہے،
اس کے لیے دعا ہی کی جا سکتی ہے تو دعا کیجئے۔اللہ کریم ہماری ان
کوتاہیوں اور غلطیوں کو جو ہم سے سرزد ہوئی ہیں ان پہ پردہ پوشی
فرمائے۔اُن سے درگزر فرمائے۔اپنی رحمتِ عامہ سے نوازے

(بیان: ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ)

ضرورت ہے

ایسے افراد کی جو زندگی کے مختلف شعبوں میں معقول تنخواہ پر انجمن دارُالعِرفان
کے مجوزہ تعلیمی، زراعتی، تجارتی، صنعتی اور دیگر مختلف منصوبوں میں کام کر سکیں۔
ہر عمر اور تجربہ کے افراد کی ضرورت ہے۔ جلد از جلد اپنے مکمل کوائف اور
تقرر کے مقام سے درج ذیل پتہ پر مطلع کریں۔

بشیر احمد چوہدری

معرفت ایڈیٹر المرشد، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ لاہور

دردِ دل

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

سورۃ النحل میں اللہ کریم اس بات پر تنبیہہ کرتے ہیں ۔ کہ اپنی خواہشات کے حصول کے لیے اپنی تمناؤں کی تکمیل کے لیے مختلف مثالیں دے کر مختلف حیلے گھڑ کے اور مختلف اندازِ تخاطب اپنا کر لازوال جواز پیدا نہ کیا جائے اسلام بڑا سیدھا سا تعلق ہے بندے اور اس کے مالک کے مابین اور لوکا چاری کے لئے اسلام نہیں ہے کہ ہم کوئی بھی غلط کام کرنا چاہیں کہ اس کا ایسا جواز تلاش کریں کہ لوگ اُس پر طعن نہ کر سکیں یہ اسلام نہیں ہے بلکہ اسلام یہ ہے کہ لوگوں سے بالاتر ہو کر یہ دیکھا جائے کہ اللہ کے احکام ہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہیں ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالی ہیں، میرے اس کام کی گنجائش ہے ۔ میرے لیے یہ جائز ہے اور اگر یہ جائز ہے اور اگر جائز نہیں ہے تو لوگ خواہ کچھ کہیں وہ کمزور کہیں ، وہ بزدِل کہیں ، وہ نالائق کہیں ، وہ ناسمجھ کہیں ، اُس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اگر ہم لوکا چاری کے لیے کر گزریں اور اللہ کے نزدیک اُس کا کوئی جواز نہیں تھا تو وہ لوگوں کی واہ واہ اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گی ۔ اس لئے اسلام بڑا سیدھا اور بڑا سادہ مذہب ہے جس میں کوئی ایچ پیچ نہیں ہے ۔ یہ براہِ راست رب العلمین کے ساتھ بندے کے تعلق کو استوار کرتا ہے اور فرمایا اللہ کے لئے مثالیں نہیں گھڑا کرو۔ تم اپنے ماحول ، اپنے معاشرے کی اپنے گرد و نواح کی ، افسروں اور ماتحتوں کی ، بادشاہوں اور غلاموں کی مثالیں گھڑ گھڑ کر جواز تلاش کرتے رہتے ہو اپنے خواہشات کی تکمیل کے لئے ۔ اس لئے کہ ربِ جلیل نے بہت مٹھاس رکھی ہے بہت بڑا حُسن رکھا ہے بہت بڑی لذت رکھی ہے ۔ اور انسان مختلف محبتوں کا شکار ہو کر دنیا اور دنیا کی لذات کی طلب میں اللہ کریم کو چھوڑ بیٹھتا ہے ۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ ہر متنفس شیطان کو کوستا ہے ہر متنفس یہ کہتا ہے کہ شیطان بہت بُرا ہے حتیٰ کہ کافر بھی شیطان غریب کو بُرا کہتا ہے لیکن اس بُرے کی مخالفت یا اُس کی بات نہ ماننے کو مسلمان بھی تیار نہیں ہوتا کہنے کو کافر بھی شیطان کو بُرا کہتا ہے ۔ لیکن جب بات تعلق کی یا بات ماننے کی یا پیچھے چلنے کی آتی ہے تو مسلمانوں میں اِلّا ماشاء اللہ کسی کو توفیق دے تو ورنہ اُسے بُرا بھی کہتے ہیں اور اتباع اُسی کا کرتے ہیں ۔

یہی حال دنیا کا ہے عام کاشتکار اور عام مزدور سے لے کر بڑے بڑے سیاسی لیڈران تک ، عام اَن پڑھ اور دیہاتی سے لے کر بڑے بڑے فاضل علماء حضرات تک ، ایک عام سادہ لوح دیہاتی سے لے کر بڑے بڑے خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے بزرگانِ کرام تک ، سارے ہی دنیا کو بُرا کہتے ہیں ۔ لیکن اس بُرائی کو سینے سے ہر ایک نے چمٹا رکھا ہے خود کو الگ کرنے پر تیار نہیں ہوتے ۔ کہنے کو بُرا کہتے رہتے ہیں ۔

اصل بات یہ ہے کہ نہ شیطان کی کوئی حیثیت ہے اور نہ دنیا بُری ہے بڑی سادہ سی بات ۔ اسلام کا فلسفۂ حیات بڑا سادہ اور بڑا سیدھا ہے ۔ رب کریم نے پوری تفصیل بتائی کہ جب شیطان راندہ بارگاہ ہوا تو اس نے دُعا کی کہ بارِ الٰہٰ میری عمر طویل کر دے تو میں دیکھوں ان اولادِ آدم کو جس کے سجدہ نہ کرنے سے میں راندہ درگاہ ہوا ۔ یہ تیرے سجدے نہیں کریں گے اور یہ میرے سجدے کریں گے جن کے لیے تو مجھے راندہ درگاہ فرما رہا ہے ۔ مجھے سزا دے رہا ہے ۔ یہ تیری عبادت چھوڑ دیں گے ۔ یہ میری اطاعت کریں گے ۔ تو اللہ کریم نے فرمایا کہ میں نے اُسے مہلت بھی دی اُسے یہ بھی کہا کہ تو انسانوں کو ہر طرح سے گھیر اُن پر پوری قوت سے حملہ کر اور یہ بھی اسی دن کہہ دیا ۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ ۔ میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا ۔ تو یہ فیصلہ بھی اسی دن ہو گیا جس دِن شیطان کو عمر عطا کی جا رہی تھی ۔ جس دن شیطان کو وساوس ڈالنے کی طاقت دی جا رہی تھی ۔ جس دن شیطان کو انسانی خون کے ساتھ رگوں میں دوڑنے کی توفیق دی جا رہی تھی ۔ جس دن اُسے انسانوں کو چاروں طرف سے گھیرنے کا اجازت نامہ مل رہا تھا ۔ اسی وقت یہ فیصلہ بھی سُنا دیا گیا کہ اِس سب کے باوجود میرے بندوں پہ تیرا کوئی بس نہیں چلے گا ۔ تو پھر اگر ہم پر شیطان کا بس چلتا ہے تو قصور شیطان کا کم ہے اور ہمارا زیادہ کہ ہم "میرے بندوں" کی فہرست سے نکل گئے ۔ ہر ہفتے ایک آدھ خط ایسا آتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ میری آنکھ نہیں کھلتی نماز چھوٹ جاتی ہے مجھ سے ذکر چھوٹ جاتا ہے میرے لئے دُعا کریں ۔ آج تک کسی دکان دار کا خط نہیں آیا کہ دکان کھولنے کے وقت سے دیر ہو جاتی ہے ۔ سو جاتا ہوں ۔ دُعا کریں ۔ کسی کاشتکار کا خط نہیں آیا کہ سحری کو ہل چلانا ہوتا ہے ۔ اور آنکھ نہیں کھلتی ۔ دُعا کریں مشکل کام ہے سردیوں میں لوگ فصلوں کو پانی دیتے ہیں کسی نے مجھے خط نہیں لکھا کہ مجھ سے پانی نہیں دیا جاتا رات کو سردی میں کوئی تعویذ عطا کریں ۔ لے دے کے یہ اللہ کی عبادت ہی رہ گئی ہے کہ اُس کے لئے آپ کو تعویذوں کی ضرورت ہے آدمی خود اپنے حال کو سوچے تو سہی ۔ اور اگر تعویذوں سے عبادت کروانی اللہ کو منظور ہوتی ۔ تو وہ خود آپ کے جسم میں ایسی بجلی بھر دیتا کہ جس طرح آپ سانس لینے پر مجبور ہیں ، دِل دھڑکنے پہ مجبور ہے ، اُسی طرح تم سجدوں پہ بھی مجبور ہو سکتا تھا ۔ باندھ کر سجدے کروانے تھے تو وہ خود قادر تھا ۔ کروا سکتا تھا ۔ اس میں میری مدد کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ سجدے ، سجدے نہ ہوتے جو باندھ کر کروائے جاتے ۔ شیخ کا کام تعویذوں سے نمازیں پڑھوانا نہیں ہے ۔ ہاں یہ میری ذمہ داری ہے کہ مَیں آپ کے قلوب کے ساتھ حتیٰ الامکان محنت کروں ۔ شاید مَیں انہیں کسی قابل کر سکوں ۔ کوئی احساس ، کوئی شعور ، کوئی تھوڑی سی چوٹ کوئی تھوڑا سا درد اگر مَیں انہیں دے سکوں تو ۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ سہروردیہ کے شیخ ، غوث بہاول الحق" اور شیخ سعدیؒ کے شیخ تھے اور یہ دونوں حضرات ہم سبق ہیں ۔ شیخ شہاب الدینؒ اپنے وقت کے غوث تھے اور غوث روئے زمین پر ساری مخلوق میں ایک بندہ ہوتا ہے ۔ کبھی بیٹھے تھے خیال آگیا تو فرمایا کہ بہاول تو مجھ سے کیا چاہتا ہے ؟ کیا اُمید رکھتا ہے ؟ تیرے لئے کیا دُعا کروں ؟ تو انہوں نے عرض کی کہ حضرت میرے لئے بھی دُعا فرمائیے اللہ مجھے بھی غوث بنا دے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ منازل کے اعتبار سے غوث بہاول الحق" کا انتقال ساتویں عرش کی منازل میں ہوا ۔ ساتویں عرش والے نے کسی کو غوثیت کے قریب بھی نہیں دیکھا سوائے اِن کے ۔

کہ یہ اپنے وقت کے غوث بھی تھے ۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے کسی میٹرک پاس کو کوئی گورنر لگا دے ۔ لیکن اس بات پر انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی ۔ یہ سن کر چپ ہو گئے ۔ پھر دعا کر دی ۔ وہ کام بھی ہو گیا ۔ حضرت سعدیؒ سمیت تینوں حضرات تشریف فرما تھے ۔ حضرت شیخ نے پوچھا " سعدی تیرے لئے کیا کروں؟" تو انہوں نے عرض کی " حضرت دردِ دل " تو آپ نے فرمایا : چیزِ عظیم خواہد ۔ تو نے بہت بڑی بات کی ہے ۔ مجھے مصیبت میں ڈال دیا ۔ وہ شے مانگی ہے کہ مجھے پکڑا کے رکھ دیا ۔ چیزے عظیم خواہد ۔ اگر کوئی زندگی ہار کر اپنے دل میں تھوڑا سا درد پیدا کر سکے تو یہ بڑی بات ہے ۔ میں تیرے میں بھی پیدا کر دوں ۔ ہمارے ذمے یہ ڈیوٹی ہے کہ درد کا وہ ذرّہ دِل کے کسی کونے میں کسی حصے میں ، کہیں سمو دیں ۔ کبھی کسی وقت تو کسی کے دِل پر کوئی چوٹ پڑے کہ اُس کی آنکھ بھی نم ہو ۔ کبھی تو سجدے میں اس کی ٹھنڈی سانس نکلے ۔ کبھی تو اللہ کی طرف منہ کرتے ہوئے تھوڑی سی حیا بھی آئے ۔ اس کے علاوہ آپ ہی کی طرح میں بھی محتاج ہوں ۔ میرے خیال میں اتنے امراض کسی انسان میں ایک وقت میں نہیں ہوں گے ۔ جتنے مجھے ہیں ۔ اگر میرے ہاتھ میں شفا ہوتی تو میں خود بیمار کیوں ہوتا ۔ کام وہ کرو جو کرنے والا ہے اور ان حیلہ سازیوں کے لئے حیلے مت تلاش کیا کرو ۔ اسلام بڑا سیدھا مذہب ہے ۔ سیدھا سیدھا تعلق ربِ کریم کے ساتھ ۔ اور شیخ کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر آنے والے کو اللہ کا دروازہ دکھائے ۔ اللہ کا نام سکھائے ۔ اللہ کے قرب کی تمنا پیدا کرے ۔ اُس کا رُخ پھیر کر اللہ کی طرف کر دے ۔

دوسری بات جو ان آیات کریمہ نے ارشاد فرمائی وہ بڑی خوبصورت ہے ۔ فرمایا دیکھو اسلام عملی زندگی کا نام ہے اگر کوئی اللہ کی اطاعت چھوڑتا ہے تو وہ کسی غیر اللہ کی اطاعت کرتا ہے یہ طے شدہ بات ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی شخص ایسا نہیں آیا جو از خود کوئی نئی زبان ایجاد کر لے از خود کوئی نیا طرزِ معاشرت ایجاد کر لے یا از خود کوئی نیا کام ایجاد کر لے ۔ کسی نہ کسی کام کرنے والے کے پیچھے چلتا ہے ۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ دوسروں کے پیچھے چلنے والا محتاج ہوتا ہے ۔ تہذیب میں ، اخلاق میں ، سوچ میں ، نظریات میں ، کسی کے بدن کو زنجیروں سے جکڑ دیا جائے ۔ کسی شخص کو اندھیری کوٹھڑی میں پھینک کر تالا لگا دیا جائے تو وہ قید اتنی سخت نہیں ہے جتنی نظریات کی قید اذیت ناک ہوتی ہے ۔ کہ جب نظریات میں آدمی خود مختار نہ رہے اور اُسے دوسروں کے قدم بقدم چلنا پڑے ۔ جتنی یہ قید سخت ہے کہ آپ اخلاقیات میں دوسروں کے محتاج ہو جائیں ۔ اتنی سخت جسمانی قید نہیں ہے اللہ کریم فرماتے ہیں جو میری اطاعت چھوڑتا ہے اُسے یہ ساری قیدیں اُس کی گردن میں پڑ جاتی ہیں کہ وہ اخلاقیات میں دوسروں کا قیدی ، حتیٰ کہ یہ قید اس کی سوچوں کو ، اُس کی فکر کو اس کے عمل کو متاثر کرتی ہے اور وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہ کام اُسے نہیں کرنا چاہیئے مگر وہ کرتا ہے کہ جن کے پیچھے وہ چل رہا ہے اُس کام کے بغیر اُن کے ساتھ وہ بیٹھ نہیں سکتا یہ ہم اپنے اردگرد ، اپنے ماحول میں ، اپنے معاشرے میں دیکھ سکتے ہیں ہم جن لوگوں کو بڑا با اختیار سمجھتے ہیں وہ بیچارے اپنے حلیئے تک میں بے اختیار ہیں ، اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے ، اپنی قوم ، اپنے ملک کا فیصلہ کرنے میں محتاج ہیں اُن کے منہ میں زبان کسی اور کی ہوتی ہے ، کیوں ؟ اس لئے کہ اللہ سے تعلق برائے نام ہے ۔ اللہ کے تعلق کو تو مسلمان بس اتنا سمجھتے ہیں کہ اللہ سے یہ کہہ دینا کہ میں تیرا بندہ ہوں یہ کافی ہے ۔ بندگی بے شک کسی اور کی کی جائے اللہ کریم فرماتے ہیں یہ بات مجھے قبول نہیں ہے ۔ مجھے بندہ بندگی سمیت چاہیئے ۔

[...]ے آدمے سودے نہیں چاہئیں۔ پھر فرمایا دیکھو جو بندہ [...]ا ہوتا ہے اُس کا ہاتھ میرے خزانوں پہ ہوتا ہے اُسے [...]بندوں سے مانگتا ہوا نہیں پائیں گے۔

کتاب الاخلاق میں ایک بڑا مزے دار چھوٹا سا واقعہ لکھا ہے کہ کوئی بادشاہ کسی فکر میں پریشان حال ٹہل رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھا کہ دُور کھلے آسمان تلے سنگلاخ پتھروں پر کوئی شخص لیٹا ہوا ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ عجیب آدمی ہے ان پتھروں پر اِسے کیسے نیند آگئی۔ کیسے سوگیا۔ شب بھر یوں پڑا رہا ہوگا۔ اُس نے پیادے بھیج کر اُسے بلوایا، پیش ہوا، پوچھا: رات تو نے وہاں پتھروں پہ گزاری؟ "حضور میرے پاس تو اور کوئی ٹھکانہ نہیں"۔ "وہاں تمہاری رات کیسے گزری؟" اس نے کہا "حضور کچھ تو آپ جیسی گزری اور کچھ آپ سے بہتر گزری"۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا۔ "تم یہ کیسے کہتے ہو؟" اس نے کہا۔ "حضور آپ سو گئے۔ میں سو گیا۔ سونے والے برابر ہیں۔ خواہ وہ پتھروں پہ سوتے ہیں یا تختِ سلطنت پہ سوتے ہیں، پلنگ پر سوتا ہے یا زمین پر سوگیا۔ سونے والے کو خبر نہیں۔ وہ کہاں سو رہا ہے۔ میں بھی سوگیا۔ آپ بھی سو گئے۔ وہ لمحے میرے اور آپ کے برابر ہیں۔ جتنی دیر میں جاگتا رہا ہوں۔ میں ذکر الٰہی کرتا رہا۔ آپ جاگتے رہے ہوں گے تو پتہ نہیں کیا سوچتے رہے ہوں گے۔ میرا وہ وقت یقیناً آپ سے بہتر گزرا۔"

اللہ کریم کو بہت سا نہیں چاہیئے کہ کوئی کہہ دے کہ میں نے کروڑوں خرچ کر دیئے اللہ کی راہ میں۔ ایک پائی بھی ہم خرچ کرے اس کے ساتھ گہرائی اور دل کا درد چاہیئے وہ خلوص چاہیئے۔ اللہ مثال دیتے ہیں ایسے بندے کی جو مملوک ہو۔ جو دوسروں کا خادم ہو۔ زر خرید غلام ہو جو بات تک بھی مالک کی پسند کے خلاف نہ کر سکے۔ مملوک کسے کہتے ہیں؟ جس کی سوچوں پر دوسروں کا نام مسلط ہو۔ جس کے کردار پر دوسروں کا حکم مسلط ہو اور جس کی زبان پر دوسروں کے تالے پڑے ہوئے ہوں وہ مملوک ہوتا ہے فرمایا مملوک کیا ہوتا ہے۔

لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ۔ اُس کے اپنے پلّے کچھ نہیں ہوتا دوسروں کے کہنے پہ کہتا ہے دوسرے اُسے خوش کرتے ہیں خوش ہوتا ہے دوسرے کہتے ہیں بگڑ جاؤ ناراض ہو جاتا ہے وَمَنْ رَّزَقْنٰہُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا۔ اور ایک وہ بندہ جسے ہر طرح کی خوبی ہم دے دیں۔ فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا وہ اللہ کے انعامات کو خفیہ، اور بظاہر بھی بانٹتا ہے وہ انعام اُس سے دوسروں کو بھی ملتا ہو عدل اُس سے دوسروں کو بھی پہنچتا ہو رزق اُس سے دوسروں کو بھی پہنچتا ہو اگر اُس کے پاس علم ہے تو اس کا علم دوسروں کو سیراب کرتا ہو، اگر اُس کے پاس نُور ہے قلب کا، تو دوسروں کے دلوں میں وہ نُور جگمگاتا ہو، وہ غلام اور یہ اللہ کا بندہ، کبھی ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ فرمایا:

هَلْ یَسْتَوٗنَ۔ تمہاری عقل کیا فیصلہ دیتی ہے یہ دونوں برابر ہیں؟ تو اگر انہیں تم بھی برابر نہیں سمجھتے تو کیا اُمید رکھتے ہو کہ کل بارگاہِ الوہیت میں اُن سے برابر سلوک کیا جائے گا؟ اور اگر آپ کی عقل یہ کہتی ہے کہ اِن سے برابر سلوک نہیں ہوگا تو پھر خود کو تلاش کرو تم کس لائن میں کھڑے ہو۔ کس قطار میں کھڑے ہو؟ کیا تم اللہ کے بندوں کی قطار میں ہو یا بندوں کے بندوں کی قطار میں ہو اگر آپ کا اپنا ہی فیصلہ ہے کہ اللہ کی اطاعت چھوڑنے و[...] کا کوئی گزارا نہیں کہ وہ غیر اللہ کی اطاعت کرے کیوں کہ اس حال سے تو ہر شخص رہا کہ وہ دنیا میں بالکل کوئی ایسی راہ پیدا کرلے جو اُس کی اپنی پیدا کردہ ہو۔ یہ تو ممکن

نہیں وہ زندگی کے اسلوب، وہ تعلقات، وہ زبان، وہ علم، وہ معلومات، وہ کاروبار، وہ اخلاق جو بھی ہوں گے وہ کسی نہ کسی قوم سے لے گا، کسی نہ کسی فرد سے لے گا۔ کسی نہ کسی ادارے سے لے گا۔ تو ایک اللہ کا دروازہ چھوڑ کر اُسے کتنے دروازوں کی غلامی کرنا پڑے گی۔ آپ نے دیکھا جنہوں نے اللہ کا دروازہ چھوڑا ان کی شخصیتیں مسخ ہوگئیں۔ وہ آدھے تیتر آدھے بٹیر بن گئے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔
بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ اکثریت جو انسانوں کی ہے وہ اس سوچ ہی سے عاری ہے یہ فکر ہی نہیں رکھتے اِس طرف سوچتے ہی نہیں ہیں ساری زندگی ضائع کر دیتے ہیں۔ یا پھر وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم ٹھیک ہی تو کر رہے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے، رشوت نہیں لیتے لوگ لیتے ہیں تو ہم کیا کریں۔ فرمایا ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کا خادم تو ہو لیکن وہ گونگا بھی ہو اور لولا لنگڑا بھی۔ نہ بات کر سکے، نہ کوئی کام کر سکے، کھانا مل گیا تو کھا لیا، نیند آئی سو گئے، سورج نکلا اُٹھ بیٹھے، اور یوں عمر بیتتی رہی۔ تو کیا سمجھتے ہو اُس خادم سے اُس کا مالک خوش ہو گا؟ آپ یہ سوچ کر بیٹھ جائیں کہ اکثریت جو ہمارے ملک کی اپنے آپ کو دیندار کہتی ہے، وہ جن سے مساجد بھری ہوتی ہیں وہ جو ہمارے مذہب کی رونق ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ ملکی معاملات میں اپنا حصہ نہیں ڈالتے اگر آج بھی شمار کرنا چاہیں تو صرف اِس ملک کے وہ لوگ شمار کر لیں جنہوں نے حج کیے ہوئے ہیں تو صرف حاجیوں کے ووٹ یکجا کر لیں۔ تو آپ کی کوئی سیاسی جماعت اُن کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اتنے ووٹ ہیں تو یہ سارے حاجی مل کر اپنے سے بڑے، اپنے سے اعلیٰ، اپنے سے نیک حاجی کو آگے کیوں نہیں لے آتے کہ وہ انصاف کرے؟ آپ دیندار اور شرفاء کی تعداد گنیں، ہر بستی ہر شہر ہر قریے میں شرفاء کی تعداد زیادہ ہے۔ اور بدکاروں، بدمعاشوں اور بے دینوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ لیکن خبریں پڑھیں تو بدمعاش مارتے رہتے ہیں اور شرفاء مرتے رہتے ہیں۔ ایک چور کو، ایک بدمعاش کو، آپ گرفتار کرا دیں تو ضلع کیا صوبے کے بدمعاش تڑپ اٹھیں گے۔ کوئی رشوت دے گا۔ کوئی جلوس نکالے گا۔ کوئی شور کرے گا۔ کوئی رعب ڈالے گا۔ کوئی سفارش تلاش کرنے نکل جائے گا۔ جس شریف کی چاہیں داڑھی نوچ لیں۔ دوسرا پوچھنے کو نہیں آئے گا۔ تو آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم سب اللہ کے مقبول ہیں؟ اگر اللہ کی مقبولیت اس حال میں ہوتی تو وہ خدّام رسالت جو کہ مکہ کی سرزمین میں پیدا ہوئے، جو مدینہ منورہ کی گودوں میں پلے لیکن اُن کی قبریں۔ ہمیں چین کے ریگستانوں، اور افریقہ کے صحراؤں میں نظر آتی ہیں۔ اُن کی قبریں میں نے یورپ اور امریکہ تک پھیلی ہوئی دیکھی ہیں۔ اُن کی قبریں تو ہسپانیہ اور سپین میں ہیں۔ سمندر پر سفر کر کے ہندوستان سے گزر کر، چین تک لوگوں کو اسلام سکھایا۔ اور انہی راہوں میں دفن ہو گئے۔ انہی راہوں میں انہوں نے جاں جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ کیا اس بات کے مستحق نہیں تھے کہ وہ سب گنبدِ خضراء کے سائے میں آرام فرما ہوتے؟ جب انہوں نے نبی کریم سے دین سیکھ لیا تھا، براہِ راست نزولِ وحی کا مشاہدہ کر لیا تھا، عبادات سیکھ لی تھیں، اذکار سیکھ لیے تھے۔ اللہ اللہ سیکھ لی تھی۔ اُن کے قلوب روشن تھے، قلوب نہیں اُن کے وجود روشن تھے۔
ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ
کھال سے لے کر نہاں خانہ دِل تک اُن کے وجود ذاکر ہوگئے

تھے تو پھر وہ زیادہ حق دار تھے کہ وہیں حجرہ نشین رہتے وہیں، اُس سرزمین پہ جان دیتے، وہیں دفن ہو جاتے، لیکن اللہ کو ایسے بندے نہیں چاہئیں۔ اللہ کو تو وہ بندے چاہئیں جو اُس دِل کی روشنی کو لے کر خلقِ خدا کے دلوں میں وہ نُور پھیلاتے، اس آیہ کریمہ میں اسی بات کو زیرِ بحث لایا رب جلیل نے فرمایا: اللہ مثال دیتے ہیں دو آدمیوں کی اُن میں ایک گونگا بھی ہے اور کر بھی کچھ نہیں سکتا، نہ بات کر سکتا ہے، نہ کوئی کام۔

اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ۔ گونگا بھی ہے اور کچھ کام کرنے کے قابل بھی نہیں ہاتھ پاؤں بھی لُولے لنگڑے ہیں۔ وَهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۔ یہ مالک کی ذات پر بھی بوجھ ہے۔ اُس کی زمین پر بھی بوجھ ہے اُس کے خزانوں پر بوجھ ہے وہ صرف ہر چیز کو لیتا ہے۔ ہوا لیتا ہے، روشنی لیتا ہے، گرمی لیتا ہے۔ سانس لیتا ہے۔ صحت لیتا ہے، زندگی لیتا ہے۔ دیتا کسی کو کچھ نہیں ہے۔ کائنات کی حیات دینے پر ہے۔ لینے پر نہیں۔ آپ کے دِل میں خون آتا ہے۔ جب دِل خون روک لیتا ہے تو سارا نظام ختم نہیں ہو جاتا؟ کیوں؟ دِل فیل ہو گیا۔ جب تک دیتا رہتا ہے حیات رہتی ہے۔ جب روک لیتا ہے تو پھر دِل کا جلوس بھی ساتھ ہی نکلتا ہے آپ کے ہاتھ تک خون آرہا ہے۔ آپ کا ہاتھ انگلیوں کو دینے سے روک لیتا ہے۔ کہتا ہے مَیں نہیں دیتا آگے۔ بس ٹھیک ہے۔ مجھ تک آگیا۔ مَیں اس کا امانت دار ہوں۔ مَیں اسے ضائع نہیں کر رہا۔ آگے بانٹنے کی مجھے کیا ضرورت ہے۔ وہاں سے انگلیاں سوکھ جائیں۔ کوئی عضو کسی جگہ اس کو روک لے آگے سوکھ جائے گا۔ سُورج اپنی کرنیں سمیٹ لے۔ دنیا بے نُور ہو جائے گی۔ بادل برسات روک لے کہ مجھے کیا ضرورت ہے۔ میرے باپ نے کونسی کھیتیاں بو رکھی ہیں۔ نظامِ کائنات معطل ہو جائے۔ یہ سارے کمالات سورج کے پاس، کس کے عطا کردہ ہیں۔ اُس مالک کے۔ کس لئے؟ انہیں آگے دینے کے لیے۔ نظام کو چلانے کے لئے۔ روکنے کے لئے نہیں۔ تو جو کمالات انسان کو عطا فرمائے ہیں، اسے عقل بخشا، شعور بخشا، علم بخشا، صحت بخشی، سوچ بخشی، بُرائی اور بھلائی کی تمیز بخشی، پھر نورِ ایمان بخشا، امتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہونے کا شرف بخشا اور پھر وہ بیٹھ رہے کہ بس جو میرے پاس آگیا ہے کافی ہے۔ مَیں وظیفہ بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، ذکر بھی کرتا ہوں، تسبیح بھی پڑھتا ہوں، باہر جو کچھ ہوتا ہے میرا، اِس سے کیا سروکار فرمایا۔

هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۔ بوجھ ہے میری ذات پر۔ اللہ بوجھوں سے پاک ہے۔ لیکن اُس بندے کی حیثیت ایسی ہے جیسے مالک پر بوجھ ہو۔

اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۔ کسی طرف ایسے آدمی کو دھکیل کر بھیج بھی دو۔ تو خیر کی خبر نہیں آئے گی۔ بھلائی کی خبر نہیں آتی۔ کچھ کر نہیں پاتا۔ فرمایا

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ ۔

اور راہِ ہدایت پر خود بھی ہے دوسروں کو بھی بلاتا ہے، کیا مالک کے نزدیک یہ دونوں ایک ہیں؟ اور اگر آپ بھی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ دونوں ایک نہیں ہیں تو پھر تمہیں خود بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ تم کس فہرست میں ہو کس قطار میں ہو کس لائن میں ہو۔

کوئی بھی شخص فرشتہ نہیں بن سکتا انسان ہمیشہ انسان رہتا ہے۔ بلکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم گناہ کرنا چھوڑ دو اور فرشتوں کی طرح ہو جاؤ تو شاید اللہ تمہیں اٹھا ہی لے اور تمہاری جگہ اور کوئی بندے پیدا

کو دے ۔ جو بندے ہوں اور جن سے خطا بھی ہوتی ہو کیونکہ یہ کائنات بندوں کے لئے ہے ۔ فرشتوں کے لیے نہیں ہے ۔ انسانوں کے لیے ۔ جن سے خطائیں بھی اور جو اس سے گڑگڑا کر رحمت اور معافی طلب بھی کریں ۔ خطا کا ہونا عجیب بات نہیں ہے ۔ لیکن خطا کارانہ زندگی اپنا لینا ، یہ عجیب بات ہے ۔ زندگی کے مقصد کو چھوڑ دینا ، زندگی میں جد وجہد کو چھوڑ دینا ، زندگی میں بھلائی کو پانے اور بدی کو روکنے کی محنت کو چھوڑ دینا ، یہ عجیب تر بات ہے کوئی بھی شخص نہ فرشتہ بنتا ہے اور نہ کوئی نبی بن سکتا ہے سارے لوگوں سے خطا کا امکان بھی ہے ، غلطی کا امکان بھی ہے ، رب کریم فرماتے ہیں ۔ میں دیکھتا یہ ہوں کہ یہ کیا کوشش کر رہا ہے ۔ کیا محنت کر رہا ہے ۔ کیا سوچ رہا ہے کیا کرنا چاہتا ہے ۔ اللہ ارض وسما کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے ۔ وہ جانتا ہے کل کیا ہوگا اور کس کا انجام کیا ہوگا ۔ کون کیا کرے گا ہمارے ذمے کائنات کو کسی بڑی تبدیلی سے آشنا کرنا نہیں ہے ۔ ہمارے ذمے اُس بہت بڑی تبدیلی کے لیے خود کو قربان کر دینا ہے ۔ اُس سے تبدیلی ہوتی ہے یا نہیں ۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں نظام میں حسن بکھیرنا ، یہ اُس کا اپنا کام ہے ۔ ہمارا نہیں اور بندوں کے ساتھ اس کا اپنا معاملہ ہے ۔ کس کے ساتھ کیا کرے گا ۔ یہ اُس کی مرضی ۔

تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔ دن پھرتے رہتے ہیں چکر کے پہیئے کی طرح تو پھر بُرائی اور نافرمانی پھیلتے پھیلتے بہت دُور تک جا چکی ہے آپ دنیا کے نقشے پر جاپان سے لے کر امریکہ کے مغرب تک اور قطب شمالی سے قطب جنوبی تک نظر دوڑائیں تو دنیا کا بہت بڑا حصہ واضح کفر کی لپیٹ میں ہے ۔ جو اللہ کی توحید کو ، رسالت کو اور دین کو ماننے ہی نہیں ۔ اس کے بعد آپ اُن حضرات اور اُن ممالک کو لیں جو ماننے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اُن میں سے آپ تلاش کریں ۔ کتنے عمل کرتے ہیں اور کتنے نہیں کرتے ۔ اگر اُن ممالک میں جنہیں اسلام کا دعویٰ ہے عزتیں بھی لُوٹی جاتی ہیں ۔ گھر بھی جلائے جاتے ہیں ۔ گردنیں بھی کاٹی جاتی ہیں ۔ ڈاکے بھی ڈالے جاتے ہیں اغوا بھی ہوتے ہیں لوگوں کو لوٹا جاتا ہے تباہ کیا جاتا ہے ۔ کبھی آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اسلامی ریاست میں لوگوں نے پکڑ کر بندوں کو زندہ جلا دیا ہے ۔ اس سے زیادہ کسی برائی کا تصور ہے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اتنا کفر اور اتنا ظلم ، یہ بڑھتا ہی چلا جائے گا ۔ ایسا نہیں ہوگا ۔ اسے رُکنا ہوگا ۔ بات صرف یہ ہے کہ ہم اور آپ اسے روکنے کے لیے نہیں اٹھیں گے تو اللہ کسی اور کو توفیق دے گا ۔ اِسے رُکنا ہے اور اِسے رُکنا ہوگا ۔ یہ ہمیشہ نہیں رہ سکتا اور نہ یہ نظام کبھی ہمیشہ رہا ہے ۔ انشاء اللہ العزیز یہ رُکے گا اور صرف رُکے گا نہیں یہ پاش پاش ہوگا اس کی دھجیاں بکھریں گی اور پھر اللہ کا دین سربلند ہوگا اور اعلائے کلمۃ اللہ پھر اس زمین پہ ہوگا اور یہ دیکھ لینا کہ جہاں صدیوں سے کفر گامزن ہے اب وہاں بھی لوگ اللہ کا نام تلاش کرتے ہیں اور اللہ کا دین تلاش کرنے میں سرگرم عمل ہیں اور وہ چاہتے ہیں کوئی ہمیں اللہ کا نام بتائے ۔ یہ جو تڑپ دلوں میں پیدا کر دی ہے قادرِ مطلق نے ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس انقلاب کی بنیاد رکھی جا چکی ہے ۔ اور کفر کے دن گنے جا چکے ۔ یہ الگ بات ہے کہ کون خوش نصیب اس کو آگے بڑھانے اور چلانے میں حصہ لیتا ہے ۔ کس کی جان قبول ہوتی ہے کس کا مال قبول ہوتا ہے اور کس کی محنت اور کوشش اللہ قبول فرماتے ہیں اس کام کو ہونا ہے ۔ میرا محتاج نہیں ہے ۔ آپ کا محتاج نہیں ہے ۔ اس لئے کہ یہ نظامِ قدرت ہے ۔ دوپہر کو سورج ڈھل جاتا ہے ۔ صبح کو

اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ ہر چیز کا ایک اختتام ہے۔ اب اس دَور کی بُرائی اپنے کمال اور اپنے انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اگر مسلمان ممالک میں ظلم کا یہ حال ہے تو جہاں کافر بستے ہیں وہاں کیا ہوگا۔ کبھی چین میں انسانوں کا حال پڑھیئے ہماری ذاتی دوستیاں اور دشمنیاں جو ہیں وہ لوگوں کے حسن وقبح کا معیار بنی رہتی ہیں۔

جو ظلم چین میں گزشتہ سال وہاں کی حکومت نے طلباءً اور اُس آبادی پر کیا آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کسی ملک میں اُس ملک کے باشندوں کے ساتھ یہ بھی ہوتا ہے۔ جو ظلم امریکہ کے شہریوں کے ساتھ امریکہ کے اندر ہوتا ہے وہ دنیا میں کہیں بھی اُنہیں نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ جنگ میں بھی اُن کے ساتھ یہ زیادتی نہیں ہوئی۔ جس ظلم سے انہیں اپنے ملک میں مارا جاتا ہے۔ جو حشر روسیوں کا روس کی سرزمین پر ہوتا ہے آدمی سوچ نہیں سکتا کہ ایسا سلوک جانوروں سے بھی ہوتا ہوگا۔ کتنا کتنا حصہ ہے دنیا کا آپ چین کے ایک طرف سے چلیں اور سائبیریا سے ہوتے ہوئے امریکہ کے مغربی ساحل تک جائیں اِس پوری زمین پر، پورے یورپ، پورے امریکہ کا نقشہ سامنے رکھ کر، حالاتِ حاضرہ کی دُوربین سے دیکھیں کیا ہو رہا ہے انسانوں کے ساتھ۔ ان سب کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں؟ وہ نہیں دیکھ رہا اِس نظام کو؟ یہ ظلم چڑھتا بڑھتا رہے گا آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ نُورِ نبوت جو ابدالاباد کے لئے روشن کیا تھا اللہ کریم نے، وہ بُجھ جائے گا؟ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ وہ نُور غالب آئے گا۔ اس ظلمت پہ اور یہ ظلمت اپنی انتہا کو پہنچ چکا۔ اب انشاء اللہ اس کی تباہی اس کا زوال شروع ہوگا دیکھا آپ نے روس کو کس طرح رسوا کیا اللہ نے اسی طرح سے باقی عالمِ کفر کو آپ دیکھتے جائیں گے تباہ ہوتے چلے جائیں گے۔ کل تک جو روس رُوئے زمین کو آنکھیں دکھاتا تھا آج وہ روس گھر گھر کاسۂ گدائی لیے پھرتا ہے آج وہ ایک ایک دروازے پر بھیک مانگ رہا ہے۔ جو کل تک فرعون بنا ہوا کہتا تھا انا ربکم الاعلیٰ اور اِن بدمعاشوں نے کہا تھا۔

WE HAVE KICKED THE GOD; OUT OF OUR COUNTRY نعوذ باللہ من ذالک یہ لینن کا مقولہ تھا۔

اب کہتے ہیں اللہ کے نام پر دے دو۔ اُس وقت وہ کہتے تھے ہم نے خدا نام کی ہستی کو اپنے ملک سے دھکے دے کر نکال دیا اب کہتے ہیں اُسی اللہ کے نام پر دے دو ہم بھوکے مر رہے ہیں وہ ایسا بے نیاز ہے۔ اسی طرح یہ باری آتی جائے گی۔

میری گذارش یہ ہے کہ ہم اپنا فکر کریں۔ اپنے بارے میں سوچیں اس لیے اللہ کریم فرماتے ہیں انتظار میں مت رہو کل کیا ہوگا۔

وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ۔ قیامِ قیامت میں آنکھ جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگے گی۔ جب وہ بپا کر دیا جائے گا۔ امریکہ میں ایک پائلٹ ساتھی تھے جیٹ جہاز کے۔ اور بڑے مشہور فائٹر تھے جس جنگ میں اسرائیل کو شکست ہوئی تھی اُس میں اُنہوں نے حصہ لیا تھا بڑا اچھا نیک آدمی تھا بات چلی قیامِ قیامت پر تو وہ کہنے لگا حضرت میں نے بڑی سائنس پڑھی ہے اور اِس معاملے میں مَیں نے بہت سے سائنس دانوں سے بحث کی ہے۔ سمجھنے کی کوشش کی ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سُورج مغرب سے طلوع ہوگا تو وہ کہنے لگا یہ جو ایٹم ہے ایک بہت چھوٹے سے ذرّے پہ ہزاروں آ سکتے ہیں اُس ذرّے میں جو

اللہ کریم نے ایک سسٹم رکھا ہے۔ نیوٹرون پروٹرون کا جو وہ چلتے رہتے ہیں اگر اُس کی حرکت کو اُلٹ دیا جائے تو وہ ایک ذرّہ ایٹم بم بن جاتا ہے تباہی پھیلا دیتا ہے۔ اُس ایٹم کو ایٹم بم بنانے میں فلاسفی یہ ہے کہ وہ ایسی ترکیب کرتے ہیں کہ کسی جگہ آکر اُس کا وہ سسٹم جو چل رہا ہے وہ اُلٹ جائے۔ جب وہ الٹتا ہے تو بہت بڑا دھماکہ ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگا یہ جو باٹنی کے نباتات کے ماہر ہیں ان سے مَیں نے پوچھا کہ یہ جو درختوں کا نظام ہے جڑ غذا لیتی ہے پھر وہ پتوں میں جا کر پکتی ہے پھر وہاں سے آکر تنے میں تقسیم ہوتی ہے، ہر شاخ، ہر پتے، ہر ڈالی کو، اپنا اپنا حصہ جاتا ہے تو یہ نظام اگر اُلٹ دیا جائے، کوئی ایسا طریقہ ہو کہ انہیں جڑ کی بجائے پتے سے غذا دے دی جائے یا جو درخت پتے سے غذا لینے والا ہے اُس کا وہ سسٹم روک کر غذا جڑ سے دی جائے اور جو کام پتے کرتے ہیں اُلٹا کر جڑوں کو اور جڑوں کا اُلٹا کر پتوں کا کر دیا جائے تو کیا ہو۔ تو کہنے لگا ہوتا کیا ہے اتنا بڑا دھماکہ ہو کہ نہ درخت کا کوئی ریزہ ملے نہ قریب ترین مکانوں اور انسانوں کا۔ جیسے آپ سسٹم کو اُلٹیں گے تو بلاسٹ ہو جائے گا۔ وہ کہنے لگا اگر ایک ذرّہ بلاسٹ ہوتا ہے تو ایٹم سے ایٹم بم بن جاتا ہے درخت کا سسٹم الٹا ہو تو پھٹ جاتا ہے تو پوری یونیورس کا پوری کائنات کا سسٹم الٹ گیا جب سُورج مغرب سے طلوع ہوا۔ سُورج کا مغرب سے طلوع ہونا مذاق نہیں ہے بلکہ پوری اِس کائنات کا جو سسٹم چل رہا ہے اس کا اُلٹ جانا، کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ کتنا بڑا دھماکہ ہوگا۔ انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ وہ کتنا بڑا دھماکہ ہوگا اور بڑے بڑے پہاڑوں کی دھجیاں کس طرح اُڑیں گی آسمان تک پھٹ جائیں گے کچھ باقی نہیں بچے گا، اتنا کہ پوری کائنات بلاسٹ ہو جائے گی وہ کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کہ سُورج مغرب سے طلوع ہوگا اس کو سمجھنے کے لئے بہت ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں انتظار نہ کرو جہاں سُورج ہے یہیں سے اُلٹ سکتا ہے جہاں جا رہا ہے وہیں سے الٹ سکتا ہے آنکھ جھپکنے سے پہلے دھماکہ ہو سکتا ہے تم کس بات کے منتظر بیٹھے رہتے ہو کرو گے۔ فرمایا کرو گے نہیں کر گزرو۔ جو توفیق ہے جو ہمت ہے جو سرمایہ ہے جو اپنے پاس ہے اِسے اِس پر لگا دو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے جب چاہے اِس نظام کی ڈور کھینچ لے اور یہ سارا سسٹم تباہ کر دے۔

ہم جس ملک میں رہتے ہیں

ہم جس زمین پہ بستے ہیں یہ سب کچھ ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے یہاں ہمیں صرف خود نیک بننا نہیں ہے بلکہ نیکی کو غالب کرنا ہے بُرائی کو روکنا اور بُرائی کو مٹانا ہمارا فرض ہے۔ یہ ملک تو ہمارا گھر ہے۔ اپنا مکان ہے مسلمان کے ذمے اللہ کی ساری زمین سے بُرائی کو مٹانا ہے تو اگر ہم ساری زندگی یہ سوچتے رہے کہ مجھے تعویذ دے دو تو مَیں نماز کے لیے اُٹھ سکوں تو یہ کام کون کرے گا۔ اگر ہم اپنے آپ کو بھی دینی اطاعت کے لیے اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھڑا نہیں کر سکتے تو ہم سے کون اُمید رکھے گا کہ ہم میدانِ عمل میں کارکردگی کریں گے اور اگر میدانِ عمل میں ہمارا کام نہیں ہوگا تو فرمایا: هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ۔ مالک پہ بوجھ بن کر رہے۔ اسلام عملی زندگی کا نام ہے اپنی اپنی کوشش، اپنی

اپنی محنت ، اپنی اپنی جد وجہد کو اس سمت لگا ؤ تو روئے زمین پر بسنی ہوئی انسانیت کو اللہ کی رحمت سے آشنا کرسکیں ۔کفر کو ، ظلم کو اور جور کو مٹانے میں اپنا حق ادا کرو انصاف ، عدل ، امن ، سکون ، نیکی ، ہدایت دین کے پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرو ۔اگر بارش کے قطرے یہ سوچنا شروع کر دیں بارش کا قطرہ کہے کہ میں تو عاجز قطرہ ہوں میرے برسنے سے کیا ہوگا تو کوئی قطرہ بھی نہ برسے تو کیا ہوگا ۔لیکن وہ بے دریغ برستے ہیں وہ نہیں سوچتے کہ مجھ سے کیا ہوگا جب برستے ہیں تو جل تھل ہوجاتا ہے ہم بھی اسی سوچ میں ڈوبے ہیں ۔میرے ایک کرنے سے کیا ہوگا ہم میں سے ایک ایک اگر اپنے لئے ہی اسلام کو اپنا لے اپنے وجود پر اسلام کو نافذ کرسکیں اپنے دائرہ کار میں اسلام کو اپنا لیں تو ایک ایک ساری قوم اسلام کو اپنا سکے گی ۔ہم صرف مطالبے کرتے رہتے ہیں ۔ کہتے رہتے ہیں شور کرتے رہتے ہیں عمل نہیں کرتے اور عمل کا زمانہ ختم ہوتے ہوتے شاید ہمیں کوئی نوٹس نہ ملے چلتے چلتے آنکھ بند ہوجائے بولتے بولتے زبان رک جائے اور زندگی ساتھ چھوڑ دے اللہ کی بارگاہ میں وہی لوگ سُرخرو ہوں گے جنہوں نے اللہ کے ارشادات اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پھیلانے بڑھانے اور زندہ کرنے میں کوئی کردار ادا کیا ہوگا ۔اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے ہماری کمزوریوں کو اور ہماری نالائقیوں کو اپنے دامانِ عفو میں جگہ دے اور ہمیں کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے ہماری کوششوں کو بار آور بھی فرمائے۔

وَآخر دعونا اِن الحمد اللہ رب العالمین

اپیل

نونی ضلع چترال میں ایک جدید مدرسہ کے قیام کے لیے الفلاح فاؤنڈیشن کو مالی تعاون کی ضرورت ہے۔ احباب سے تعاون کی اپیل ہے۔

اللہ کریم اجرِ عظیم سے نوازے۔

فنڈز کی ترسیل کے لیے AC. NO - ۳۶۱

نیشنل بنک نُور پُور ۔ ضلع چکوال

اویس مصطفیٰ

تصوّف اور جدید سائنس

کسی ایسی چیز پر، کہ جس کے متعلق مختلف طبقات کی آراء مختلف ہوں، تنقید کا عمل بے حد دشوار ہوتا ہے۔ کیونکہ بے شمار مصلحتیں آڑے آتی ہیں۔ بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کرسکتے کہ ایسی تنقید یا تشریح جو خالصتاً علمی اور تحقیقی نقطۂ نگاہ سے کی گئی ہو علم میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ معلومات کے ذخیرے میں سیرابی آتی ہے۔ مثبت تنقید زندگی کے رویّوں میں حرکت پیدا کرنے کی ذمہ دار ہوا کرتی ہے۔ اگر تنقید کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو فکر و نظر کی قوتیں زنگ آلودہ ہوجاتی ہیں اور حرکت و عمل کی طاقتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر منفی قوتیں متحرک ہوتی ہیں اور اپنے باطل نظریات اِن منجمد ذہنوں میں ٹھونسنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس لیے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرنا، اصلی اور نقلی نظریات میں فرق محسوس کرنا باطل کو مٹا کر حق کا پرچم بلند کرنا اور صحیح صورتِ حال سامنے لانا ہم سب کا فرض ہے!

اسلام میں تصوّف کا مسئلہ کچھ متنازعہ سا بنا رہا ہے اس کی تائید اور تردید میں بے شمار کتب اب تک لکھی جاچکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ کچھ شخصیات نے تو تصوّف کو عین اسلام قرار دیا۔ البتہ کچھ لوگوں نے تصوّف پر کڑی تنقید کی اور انہوں نے تصوّف کے مختلف مراحل مثلاً مراقبہ، مکاشفہ، ریاضت، اوراد و وظائف، سیرِ مقامات وغیرہ کو تصوراتی باتیں قرار دیا۔ کہ ان کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض علماء کو اس کے بارے میں یہ شکایت رہی کہ تصوّف لوگوں میں جمود، تنگ نظری اور کم حوصلگی پیدا کرتا ہے۔ غلط قسم کے صبر و تحمل کو جنم دیتا ہے اور جہاں تلوار اٹھانے کی ضرورت ہو، وہاں عبادات پر زور دیتا ہے۔ یہ تحریر خصوصی طور پر اُن لوگوں کے لیے ہے جو مادیت پرستی کا رجحان زیادہ رکھتے ہیں اور 2+2 = 4 کی طرح مذہبی باتوں کو بھی سائنس کے ذریعے پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں اگر ایسے احباب یہ مضمون توجہ سے پڑھیں تو انہیں یقیناً یہ بات ماننا پڑے کہ تصوّف بھی ایک سائنس ہے اور یہ سائنس قدرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے روحانی اور بیانی طور پر افشاں کردی تھی جیسے جیسے سائنس تحقیقات کا دائرہ کار وسیع کرتی جارہی ہے۔ اس پر وہی اسرار و رموز کھل رہے ہیں جو ہمارے پیغمبر آخرالزماںؐ قرآن مجید کی صورت میں ہمارے حوالے کرگئے ہیں۔ ڈاکٹر ہارٹ ورگ نے "نئی تحقیقات در قرآن" میں لکھا ہے۔

"ہمیں یہ جان کر متعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ تمام سائنسوں کا منبع قرآن پاک ہے۔"

عقیدہ اور عبادات

عبادات تقریباً ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہیں ایک وہ دور تھا جب لوگ بہت سے خداؤں کو مانتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ ہندو دھرم میں "برہما" اور "شیو شنکر" کی پوجا کی جاتی تھی۔ پھر وشنو، رام، کرشن جی اور حتیٰ کہ گاندھی جی کو پوجا جانے لگا۔ زرتشتیوں نے آگ کو اپنا معبود بنالیا اور اس کے آگے رکوع کی حالت میں جھکنے لگے۔ اسلام آیا تو اس نے صرف ایک اللہ کی عبادت کا تصور دیا یوں تو دنیا کے ہر مذہب میں خُدا کی یاد کا حکم اور اس کی عبادات کے قوانین موجود ہیں۔ اسلام میں حمد و تسبیح ہے تو یہودیوں میں مزمور، عیسائیوں میں دُعا، پارسیوں میں زمزمہ اور ہندوؤں میں بھجن ہیں، اور ان فریضوں کو ادا کرنے کے لیے دنوں اور اوقات کا تعین بھی ہے، مگر اسلام میں نماز ایک ایسی عبادت ہے جو صرف رکوع و سجود کا نام نہیں بلکہ حقیقتاً یہ تاثر پیدا کرتی ہے کہ خُدا صرف ایک ہے اور اسی کے آگے جُھکنا چاہیئے۔

اگر ہم ان سب باتوں پر غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسانی زندگی میں کسی نہ کسی عقیدے کا ہونا لازمی ہے۔ ورنہ اس کے بغیر انسانی زندگی نامکمل اور ادھوری رہ جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب کوئی عقیدہ تشکیل پاتا ہے تو اس کے کچھ قواعد و ضوابط بھی مقرر کئے جاتے ہیں چنانچہ اسلام نے بھی ہمیں یہ عقیدہ دیا کہ خُدا ایک ہے وہ حاظر ناظر ہے اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اس عقیدے کے قواعد و ضوابط ہمارے پاس ایک قانونی اور روحانی کتاب قرآنِ حکیم کی صورت میں موجود ہیں۔

کائنات

اب ہم اس کائنات کی بات کرتے ہیں جس میں ہم سب رہ رہے ہیں۔ اس کائنات کا MECHANISM بہت پیچیدہ ہے اور انسان ہمیشہ اس کے اسرار معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اسی خوئے تجسس کی وجہ سے مختلف سیارے دریافت ہوئے اور اب بھی خلائی شٹلز بھیج کر اس بارے میں تحقیقات جاری و ساری ہیں۔

کائنات کے بارے میں بظاہر یہی نظریہ ہے کہ یہ "مادے" (MATTER) سے بنی ہے۔ مگر شائد کوئی سائنسدان یہ نہ بتاسکے گا کہ یہ کائنات بننے سے پہلے یہ "مادہ" کہاں تھا اور کس صورت میں تھا؟ اب کچھ سائنسدانوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مادہ پہلے کسی توانائی کی شکل میں تھا۔ سائنسدانوں نے یہ نظریہ اس بنیاد پر قائم کیا کہ جب مادے کو توڑا جائے تو توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مگر آج تک توانائی کو مادے کی شکل میں لانے کا کوئی طریقہ کار دریافت نہیں ہو سکا!

یہ "مادہ" کیا چیز ہے۔ سائنسی نقطہ نگاہ سے مادہ چند الیکٹرانز، نیوٹرانز اور پروٹانز پر مشتمل ہے۔ مگر سائنس اس مادے کو توڑ کر بھی یہ ذرات دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ حالانکہ سائنس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ صرف اُس چیز کا وجود تسلیم کرے گی، جو اُسے نظر آئے۔ پھر سائنس ان ذرات کے وجود کو کیوں تسلیم کرتی ہے۔ جنہیں کبھی دیکھا ہی نہیں گیا۔ سائنس نے یہ تو کہہ دیا کہ بجلی الیکٹرانز کے بہاؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر جب الیکٹران کو دیکھا ہی نہیں تو یہ مفروضہ کیوں قائم کیا گیا؟ کوئی عقلی دلیل نہ ہونے کے باوجود محض تصوراتی طور پر بجلی کی یہ تھیوری تسلیم کرلی گئی۔

مابعد الطبیعاتی مسائل

پھر ایک دور ایسا آیا کہ سائنس کی ایک اور شاخ نکالی گئی جسے PARA - SCIENCE کہا گیا۔ اس شاخ کے ذمے یہ کام آیا کہ یہ NON - MATTER یعنی غیر مادی اشیاء پر

ریسرچ کرے اور اسے META PHYSICAL RESEARCH کہا گیا۔ گویا سائنس نے بھی اس بات کا اعتراف کر لیا کہ مادے کے علاوہ غیر مادی افعال بھی موجود ہیں۔ اب یہ پیرا سائنس مابعد الطبیعاتی مسائل پر تحقیق کرتی ہے۔ جس میں ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم اور یوگا وغیرہ ہیں۔ حالانکہ یہ تمام علوم بذاتِ خود اسلام سے "ادھار" مانگی ہوئی چیزیں ہیں۔ خیالات کے تبادلے اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کا قانون خود اسلام نے ہمیں دیا ہے۔ علم نفسیات بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اس کائنات میں کوئی بھی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو دوسری شے پر اثر انداز نہ ہو۔ ایسے کئی مشاہدات ہماری روزمرہ زندگی میں رونما ہوتے ہیں لگاؤ اور جذبے کی شدت روحانی قرب پیدا کرتی ہے۔ بیٹے کے حادثے کے وقت نیند میں ڈوبی ہوئی ماں اچانک اُٹھ بیٹھتی ہے کسی کام میں ناکامی ہو تو گرفتہ دلی گھیر لیتی ہے۔ محبت کرنے والے کا شدید جذبہ محبوب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ چرند پرند اپنی زبان میں ایک دوسرے کو سگنل دیتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جس شخص کی قوتِ ارادی زیادہ مضبوط ہو، اتنا ہی وہ دوسروں پر اثر انداز ہونے کے قابل ہوتا ہے۔ جب بھی ہم کسی چیز کی طرف پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہوں گے، ہمارے خیالات اس چیز میں منتقل ہو جائیں گے۔ بارہا آپ کو تجربہ ہوا ہوگا کہ آپ کسی سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اور وہ آپ کے بولنے سے پہلے ہی آپ کے ذہن میں پیدا شدہ سوال کا جواب دے دیتا ہے۔ اسلام میں بھی توجہ اور یکسوئی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ نماز کے لیے کہا گیا ہے کہ یا تو یہ تصور کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے یا آپ خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ اس بات کا مقصد بھی یکسوئی پیدا کرنا ہے۔

خیال اور اس کی قوت

ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے جسم کے تمام افعال کو دماغ کنٹرول کرتا ہے مگر دماغ کو COMMAND کون دیتا ہے؟ جب بھی ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو ایک توانائی کی شکل میں آتا ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ خیال کا آنا اس امر کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ حرکت کسی توانائی سے ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ خیال ایک ایسی توانائی ٹھہرا جس نے ذہن کے پردوں میں ارتعاش (VIBRATIONS) پیدا کیا۔ اب یہ حرکت ذہن کی ذاتی نہیں ہے۔ اس کا تعلق یقیناً کائنات کی کسی توانائی سے ہے۔ ایک معمولی سی مثال لے لیں جب بھی ہوا کا جھونکا آئے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کرۂ ارض میں کہیں تغیر پیدا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح انسانی دماغ میں سوچ کا وارد ہونا کسی سبب کی نشاندہی کرتا ہے۔ ورنہ یہ چیز بلا سبب ممکن ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے کہ کائنات کا ہر ذرّہ اور ہر شے میں موجود توانائیاں اپنے درمیان ایک خاص ربط اور نظم و ضبط رکھتے ہوئے اپنا نظام برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ سورج اپنے مدار میں گردش کرتا ہے۔ زمین اپنے مدار میں، چاند نکلنے کے اپنے مخصوص اوقات ہیں۔ تاروں کی مجال نہیں کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ دیں۔ موسم کے تغیر و تبدل ایک طے شدہ کلیے اور قاعدے کے مطابق ہو رہے ہیں۔ سمندر کا جوار بھاٹا اپنے مخصوص ایام میں وقوع پذیر ہوتا ہے کائنات کی پوشیدہ توانائیاں یہ نظامِ کائنات چلا رہی ہیں چنانچہ ہمیں یہ بات ماننا پڑے گی کہ کائنات کی توانائیوں میں ارتعاش پیدا ہوا جس نے ذہن میں کسی خیال کو جنم دیا، اور خیال بذاتِ خود ایک توانائی ہے۔ اب ذرا اس بات پر غور کیجئے کہ اگر خیال کی اس قوت کو بڑھا دیا جائے تو .... یہ قوت کیا کچھ نہیں کر سکتی!

اس تمام بحث سے ایک نکتہ سامنے آتا ہے کہ توانائی کوئی جامد شے نہیں بلکہ متحرک ہے اور اس کا حرکت میں رہنا ہی اس کی خاصیت (PROPERTY) ہے۔ مثلاً روشنی ایک توانائی ہے۔ اس کی باقاعدہ ایک WAVE LENGTH ہے اور یہ ایک لاکھ

چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ (اندازاً) کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ گائیڈڈ میزائل پر استعمال ہونے والی توانائی متحرک ہے۔ ریڈیو یا ٹی وی سٹیشن سے ہمارے گھر تک پہنچنے والی توانائیاں (لہریں) متحرک ہیں۔ پس یہ بات طے ہوگئی کہ توانائی ایک متحرک چیز ہے۔

توانائیوں کا آپس میں رابطہ

فزکس کا مسلمہ اصول ہے کہ جو توانائیاں طاقتور ہوتی ہیں، وہ نہ صرف چھوٹی چھوٹی توانائیوں پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتی ہیں بلکہ مادے کی شکل تبدیل کر دینے کی قدرت بھی رکھتی ہیں۔ یہیں پر معجزات اور کرامات کا عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ اولیائے کرام کی توانائیاں شعورِ برتر کی سطح کی توانائیاں ہوتی ہیں اور ان کی شدت INTENSITY اس قدر ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف کمزور توانائیوں والے اشخاص پر اپنا اثر مرتب کرتی ہیں بلکہ مادے پر تصرف کی بھی قادر ہوتی ہیں۔

اب یہ بھی تو سوچیے کہ کائنات میں پائی جانے والی یہ تمام بڑی بڑی توانائیاں خود بھی کسی بڑی توانائی کے زیرِ اثر ہوں گی! اور لامحالہ وہ ان توانائیوں سے کئی گنا شدید تر توانائی ہوگی کوئی EXTRA SUPER POWER ہوگی جس نے ان تمام توانائیوں پر کنٹرول رکھا ہوا ہے۔ ہم اس EXTRA SUPER POWER کو اللہ کا نام دیتے ہیں۔ یہاں سے وحدت الوجود کا فلسفہ عیاں ہوگا۔ اگر کسی طرح ہم اپنے خیال کی توانائی کو اس قدر بڑھا لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی توانائی سے رابطہ قائم کر لے تو؟ لیکن کسی چیز سے رابطہ پیدا کرنا اسی صورت میں ممکن ہے، جب آدمی اُس چیز کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے، اُس کی معنویت میں خود کو گم کر دے اور جب عقل و فہم کا ہر زاویہ اُس ایک نقطے پر ہی مرکوز ہو جائے۔ تبھی اُس شے سے آپ کا ربط (غائبانہ) قائم ہوگا۔ جب آپ کے ذہن، آپ کے دل اور آپ کی زبان پر محض "اللہ" کا لفظ ہوگا تو لازمی طور پر آپ کی توانائی اللہ تعالیٰ کی طاقتور توانائی سے رابطہ قائم کرے گی۔ اس طرح مخلوق اور خالق کے درمیان ایک نادیدہ مگر مضبوط ربط پیدا ہو جائے گا۔

آپ اپنی ذاتی زندگی کی مثال ہی لے لیجیے۔ خود مخلوق کی توانائی کا مخلوق کی توانائی سے ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچیے، ہزاروں میل دور بیٹھے انسان کا دل دوسرے کے لیے کیوں تڑپتا ہے؟ انسان انسان سے پیار کیوں کرتا ہے؟ درحقیقت یہ جو ہمارا مادی جسم ہے اس کا کسی دوسرے جسم کے ساتھ تعلق ظاہری کوئی معنی نہیں رکھتا یہ تو ہمارے اندر کی توانائیاں ہیں جو ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لینے والے ایک دوسرے سے نفرت بھی کر سکتے ہیں۔ جبکہ ایسے انسان جن کا آپس میں کوئی مادی رشتہ نہیں ہے، کوئی خون کا رشتہ نہیں ہے، ایک دوسرے کی چاہت میں بیقرار ہو رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کا تعلق مادی نہیں بلکہ رُوحانی ہوتا ہے۔ جدید زبان میں اسے UNDER STANDING کہہ لیجئے۔ آپ کا واسطہ یقیناً ایسے لوگوں سے پڑا ہوگا جن کی بے پناہ کشش کے باعث آپ غیر ارادی طور پر اُن کی طرف کھنچے چلے گئے ہوں گے۔ بعض لوگ ایسے بھی آپ کو ملیں گے جن کو آپ جانتے تک نہیں ہوں گے۔ مگر انہیں ملنے یا اُن کے پاس بیٹھنے کو دل ہی نہ چاہتا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر جسم کچھ اَن دیکھی لہریں خارج کرتا ہے جو مقناطیسی اثرات کی حامل ہوتی ہیں۔ سائنسدانوں نے یہ دریافت کیا ہے کہ ہر انسان کے اردگرد ایک اور جسم ہوتا ہے جو روشنی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس جسم کی شکل بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی اس شخص کے گوشت پوست کے جسم کی ہوتی ہے۔ اسے ہالۂ نور یا (AURA LIGHT) کہتے ہیں۔ جو بات سائنسدانوں نے اب دریافت کی ہے، اس کی نشاندہی کئی برس پہلے "حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" نے

کر دی تھی اور اس نوری ہالے کا نام "نسمہ" رکھا تھا۔ یہ ہالۂ نور جتنا طاقتور ہوگا، اتنا ہی اس کا مالک مقناطیسی شخصیت کا مالک ہوگا۔ ایسے ہی لوگوں کی قربت میں بیٹھنے اور ان سے باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ایسا آدمی اگر کسی مجمعے سے خطاب کر رہا ہو تو سب لوگ مسحور ہو کر اس کی تقریر سنتے ہیں۔ یہ ہالہ جتنا طاقتور ہو، اس کی لہریں اتنا ہی زیادہ دور جاتی ہیں اور اسی قدر انسان کی شخصیت پرکشش اور مسحور کن ہوتی ہے۔ اگر یہ ہالہ ناتواں اور کمزور ہو تو ایسے لوگوں میں کشش باقی نہیں رہتی بلکہ ایسے افراد کے ساتھ تو بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ حال ہی میں روسی سائنسدانوں نے انفرا ریڈ شعاعیں خارج کرنے والے کیمرے سے اس ہالۂ نور کی تصویر کشی بھی کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ دماغ میں پیدا ہونے والے خیالات اس ہالۂ نور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثبت سوچوں کی صورت میں یہ سفید، سنہرا، اور منفی سوچوں کی صورت میں بھورا یا کالا ہو جاتا ہے۔

صوفیائے کرام کی مختلف ریاضتوں سے یہ ہالۂ نور طاقتور ہوتا جاتا ہے اور اس کی اثر انگیزی بڑھتی جاتی ہے۔

دماغی افعال

جدید ترین تحقیق کے مطابق دماغ کو کارکردگی کے لحاظ سے سات مفروضی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلا حصہ شعور کہلاتا ہے۔ اس شعور کے ذریعے ہمارا اس بیرونی دنیا سے رابطہ قائم ہوتا ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ ہمارے حواسِ خمسہ (قوتِ شامہ، سامعہ، باصرہ وغیرہ) کا تعلق اسی حصے سے ہے۔ اس شعوری طاقت کے ذریعے ہم سوچتے سمجھتے، حساب کتاب کرتے اور روزمرہ زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرا حصہ تحت الشعور ہے۔ یہاں سے جسم کو حرکت کرنے کا سگنل ملتا ہے۔ یعنی ایک طرح سے یہ ہمارے جسم کا کنٹرول روم ہے۔ رنج، فکر، خوف، خوشی، یہ تمام احساسات تحت الشعور کے زیرِ اثر ہیں۔

۳۔ دماغ کا تیسرا حصہ "یادداشت" (MEMORY) ہے جو تحت الشعور کے اندر ہی ہے۔ بیرونی دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا عکس اور تجزیے یہاں اسٹور ہو جاتے ہیں۔ ہمارا شعور جس وقت کوئی پرانی بات یاد کرنا چاہتا ہے تو MEMORY فعال ہو کر شعور کو مطلوبہ معلومات فراہم کرتی ہیں۔ یہ نظام بالکل کمپیوٹر کی طرح ہے۔

۴۔ چوتھا حصہ تخلیق کہلاتا ہے جو اُس وقت سرگرم عمل ہوتا ہے جب ہم کوئی خواہش کرتے ہیں، کسی چیز سے ڈرتے ہیں یا دُعا مانگتے ہیں۔ یہ حصہ خواہشات کو حقیقت کا روپ دینے میں انسان کی MORAL مدد کرتا ہے۔

۵۔ پانچویں حصے کو توانائی کہتے ہیں۔ بیماری یا زخم لگ جانے کی صورت میں یہ حصہ عمل میں آتا ہے اور جسم کی قوتِ شفا (HEALING POWER) کو ہدایات جاری کرتا ہے۔

۶۔ دماغ کے چھٹے حصے کو وجدان کہتے ہیں۔ چھٹی حس اسی سطح سے پیدا ہوتی ہے۔ شعور اس طرح کا ادراک نہیں کر سکتا، کیونکہ اس حصے کی کیفیات "وجدانی" ہوتی ہیں۔ ہمارے خوابوں کا تعلق اسی سطح سے ہے۔

۷۔ یہ حصہ کاسمک شعور یا شعورِ برتر کہلاتا ہے۔ یہی سطح روحانیت کا علاقہ ہے۔ اس کے ذریعے ہم ناقابل فہم باتیں غیر محسوس طریقے سے سمجھ لیتے ہیں۔ یہ حصہ مادی وجود سے بے نیاز ہے، زمان و مکان سے بے نیاز ہے اور خالصتاً روحانی سطح پر کام کرتا ہے۔

زمان و مکان اور وقت کی اصلیت

وقت ایک متحرک چیز ہے اور باقاعدہ طور پر ایک لمبائی رکھتا ہے۔ وہ لمبائی جو ماضی سے لے کر مستقبل تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس کی لمبائی کا ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے لیے وہی لمحہ ALIVE یا زندہ ہے جو سامنے موجود ہے۔ یہ لمحہ گزر کر "ماضی" بن جاتا ہے اور "مستقبل" کے خزانے میں سے ایک نیا لمحہ نکل کر ہمارے "حال" میں آجاتا ہے۔ یہ طریقہ کار یا PROCESS تا حیات جاری رہتا ہے۔ عمومی نظر سے ہم نہ ماضی کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ مستقبل کو۔ ہم صرف اس لمحے کا ادراک کر سکتے ہیں جو ہم گزار رہے ہیں۔ ہمارے لیے ماضی اور مستقبل ساکن ہے اور صرف وہ لمحہ متحرک ہے جو ہمارے سامنے سے گزر رہا ہے۔ یہاں ایک بات نہایت غور طلب ہے کہ لمحہ جہاں سے آیا، وہ "جگہ" کہاں ہے؟ اور جہاں جا کے گم ہو گیا، وہ "جگہ" کونسی ہے؟

فرض کیجئے آپ ایک ٹرین میں بیٹھے ہیں اور یہ ٹرین اسٹیشن پر رکی ہوئی ہے۔ آپ کی ٹرین کے بالمقابل دوسری پٹڑی پر دوسری ٹرین کھڑی ہے۔ اب اگر دوسری ٹرین حرکت کرنا شروع کر دے تو آپ کو یوں لگے گا جیسے آپ کی گاڑی نے حرکت شروع کر دی ہے۔ حالانکہ آپ کی گاڑی بالکل ساکن کھڑی ہے۔ جب آپ پلیٹ فارم کو دیکھتے ہیں تب پتا چلتا ہے کہ یہ حرکت تو دوسری گاڑی کی ہے۔ اب اسے کیا کہیئے گا؟ آپ کے مشاہدے کا دھوکہ؟ یا آپ کی محسوسات کا دھوکا؟ مگر نہیں! آپ کا مشاہدہ دوسری گاڑی کی نسبت سے حرکت میں تھا اور اپنی گاڑی کی نسبت سے ساکن تھا۔ گاڑی گزر گئی تو مشاہدے کی حرکت بھی تھم گئی۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ کا مشاہدہ حرکت کرسکتا ہے اور اس پر بھی حرکت کے وہی قوانین لاگو ہوتے ہیں جو دوسری اشیا کے لیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کا مشاہدہ نہایت برق رفتاری کا مظاہرہ کرے تو وہ ماضی اور مستقبل دونوں کے لمحات کا ادراک کر سکتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے آپ اپنے خوابوں میں ماضی کی اور کبھی کبھی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی جھلک دیکھ لیتے ہیں۔ خواب میں زمان و مکان کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور آپ کے پورے دن کی مصروفیات دس منٹ کے خواب میں سما جاتی ہیں۔ یہ اس لیے ممکن ہوتا ہے کہ خواب کے عالم میں شعور کی گرفت جسم پر کمزور ہو جاتی ہے اور شعور بر تر جاگ جاتا ہے۔ جس کے لیے فاصلے اور وقت کی کوئی اہمیت نہیں۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ وقت جو ماضی، حال اور مستقبل تک پھیلا ہوا ہے، ہمارے یہیں کہیں موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اسے دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

قوتِ مشاہدہ

ہر انسان کی ذات داخلی اور خارجی حصے پر مشتمل ہے۔ داخلی حصہ اس کا اصل ہے اور خارجی حصہ جو گوشت پوست کا بنا ہوا ہے، اس کا لباس ہے۔ ظاہری حصے کو کسی جگہ پر جانے کے لیے ایک مخصوص فاصلہ طے کرنا پڑے گا جس کے لیے ایک مخصوص وقت درکار ہو گا۔ یعنی ظاہری حصہ ٹائم اور اسپیس (زمان و مکان) کا محتاج ہے۔ اگر مجھے راولپنڈی سے لاہور جا کر مینار پاکستان دیکھنے کی آرزو ہو تو میرا ظاہری جسم ۵۔۶ گھنٹے کی مسافت طے کر کے ۲۷۵ کلو میٹر دور جا کر مینار پاکستان دیکھ سکے گا۔ اب اگر میں اپنے داخلی حصے سے (جو کہ زمان و مکان سے آزاد ہے) کام لیتے ہوئے راولپنڈی میں بیٹھے بٹھائے مینار پاکستان کا تصور کروں تو میرے ذہن میں ایک خاکہ سا ضرور بن جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خاکہ دھندلا سا ہو گا جس کی وجہ میرے تخیلاتی مشاہدے کی ناتوانی ہو گی۔ اگر میں کسی طرح اپنا مشاہدہ طاقتور بنالوں تو یہ

دھندلا خاکہ بھی روشن ہو سکتا ہے۔ ہم دنیاوی مسائل میں اتنا اُلجھ گئے ہیں کہ ہماری تمام تر توجہ اپنے کثیف جسم کی ضروریات پر لگی رہتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہمارا روحانی جسم کمزور تر ہوتا جاتا ہے۔ اگر ہم اپنے روحانی جسم کی پرورش کی طرف بھی توجہ دیں، تو ہمارا مشاہدہ اتنا تیز ہو سکتا ہے کہ وہ کائنات کے پوشیدہ اسرار و رموز سے بھی آشنائی کر لے۔

انسانی جسم کی برقی رو

انسانی جسم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ۱۔ مادہ، ۲۔ رُوح
رُوح اس کائنات کی لطیف ترین توانائیوں میں سے ایک توانائی ہے۔ بدن اس کا MEDIUM یا لباس ہے۔ جس کے ذریعے مختلف افعال سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ہمارا جسم خلیات (CELLS) پر مشتمل ہے

سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ہمارا جسم خلیات (CELLS) پر مشتمل ہے ان CELLS کے PROTOPLASM میں روحانی توانائی ناقابلِ یقین رفتار کے ساتھ گردش کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں جسم کے ہر خلیے کے اردگرد مقناطیسی میدان بن جاتا ہے جس کے نتیجے میں جسم کے اردگرد ہالۂ نور وجود میں آتا ہے۔ جسم میں روحانی توانائی کی گردش بالکل اس طرح ہے جیسے ہمارا برقی نظام۔

انسانی جسم کے پاور ہاؤس

ہمارے برقی نظام میں گھر گھر بجلی پہنچائی جاتی ہے۔ برقی نظام میں جگہ جگہ گرڈ اسٹیشن بنائے جاتے ہیں جہاں پر بجلی کی طاقت کو BOOST-UP کیا جاتا ہے یعنی بڑھایا جاتا ہے تاکہ TRANSMISSION LOSSES کو COVER کیا جا سکے۔

ہمارے جسم میں بھی ایسا ہی نظام موجود ہے۔ ہمارے بدن کے چند مقامات ایسے ہیں جہاں ہمارے اعصاب گچھوں کی مانند کثیر مقدار میں موجود ہیں۔ یہ اعصابی گچھے ہمارے بدن کے گرڈ اسٹیشن ہیں اور یہ ریڑھ کی ہڈی کی نالی (حرام مغز)، دماغ کے بالائی حصے (SOLARPLAX) قلب، زیر ناف، سینے کے دونوں اطراف اور ماتھے کی جڑ میں واقع ہیں۔ تصوف کی زبان میں انہیں "لطائف" کہا جاتا ہے۔ جب ہم ان مقامات پر توجہ مرکوز کر دیتے ہیں تو کائنات کی توانائیاں ان میں جذب ہو کر جسم میں موجود روحانی توانائی میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ یہ لطائف ہمارے جسم کے پاور ہاؤس ہیں۔ جب ان پر انوارات کی لہریں اثر انداز ہوتی ہیں تو جسم کے اندر بہنے والی روحانی توانائی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ اضافہ ہمیں اپنے جسمانی وجود سے بے نیاز کر کے رُوح کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ جہاں چاہے، جا سکتی ہے اس کی مثال سیر کعبہ، سیر جنت اور دوسری سیریں ہیں جو تصوف میں مروج ہیں۔ صوفیائے کرام اپنے سالکین کو جو مشقیں کرواتے ہیں، اُن سے روحانی توانائی میں حیرت انگیز اضافہ ہوتا ہے۔

لطائفِ ستہ کی مزید سائنسی تشریح

اس کائنات کو تخلیق کرنے اور چلانے والی جو بھی قوت ہے، اُسی کی ذاتی لہروں (WAVES) کا یا انوارات کا مظہر کائنات کی ہر چیز میں جاری و ساری ہے۔ اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اس کائنات کی تشکیل اُس قوت کا ذاتی ارادہ تھا۔
۲۔ اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز / تخلیق کا نقشہ / نمونہ (PATTERN) اس قوت کے ذہن میں موجود ہے کیونکہ وہی اس تخلیق کی خالق، PLANNER اور ذمہ دار ہے ہر نقشہ نویس کے ذہن میں عمارت کا نقشہ پہلے تصور بنتا ہے پھر تصویر بنتا ہے۔
۳۔ تخلیق کے خدوخال اور فرائض و اعمال میں خالق کی جھلک ہمیشہ نمایاں ہوا کرتی ہے۔
۴۔ کائنات کا خالق اگرچہ خود مختار اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

تو کائنات اور مخلوق کو تخلیق کرنے کے ذریعے اُسے اپنی پہچان کروانا مقصود تھی۔ اس لیے اس نے اپنی تخلیق میں اپنی بھی کچھ صفات رکھ دیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ ناگزیر تھا کیونکہ ہر خالق کی تخلیق پر اس کا مونوگرام اور ہر کمپنی کی پراڈکٹ پر اس کا ٹریڈ مارک لازماً موجود ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کمپنی کو جانیں اور پہچانیں۔

تصوف کے میدان میں اس بات کو جاننے اور پہچاننے کے لیے کہ تخلیق کے خدوخال میں اس کے خالق کا کیا مونوگرام موجود ہے، مختلف ریاضتیں اور مجاہدے متعین کیے گئے۔ قابلِ صد احترام صوفیاء اور صاحبِ نظر علماء و مشائخ نے اس کے لیے قرآن و سنت اور صحابہ کرام کی زندگیوں سے رہنمائی حاصل کی، ذاتی طور پر کاوشیں کیں، تحقیق کی، تجربات کیے۔ جس کے نتیجے میں لطائفِ ستہ دریافت ہوئے۔ آپ فی الحال "لطائف" کا لفظ نظر انداز کر دیجئے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ وہ سات مراحل یا (STAGES) ہیں جن سے ابتدا کر کے تخلیق کا اپنے وجود کا اور اپنے خالق کو سمجھنے کا عمل (PROCESS) شروع ہو جاتا ہے۔ یہ وہ سات لیبارٹریاں ہیں جہاں ہم عملی طور پر اپنے اور اپنے خالق کے درمیان نادیدہ ربط سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

لطائف پر ضربیں لگانے کا جواز

یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ لطائف ستہ پر متوجہ ہو کر وہاں زور زور سے ضربیں لگانے کا کیا فلسفہ ہے! بات یہ ہے کہ انسان کی تخلیق کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ وہ بیک وقت بہت سی جہتوں اور سمتوں پر توجہ دینے کے لیے مجبور ہے۔ جبکہ داخلی اور روحانی قوتوں کو بیدار کرنے کے لیے "نقطۂ ارتکاز" بے حد ضروری ہے۔ انسان کے ذہن میں ہمہ وقت بے شمار باتیں گردش کرتی رہتی ہیں۔ جن کی وجہ سے ارتکازِ توجہ ممکن نہیں رہتا۔ اسی ارتکازِ توجہ کو ممکن بنانے کے لیے ساتوں لطائف کو یکے بعد دیگرے نقطۂ ارتکاز بنایا جاتا ہے۔ یہ CIRCLE کچھ اس طرح چلتا ہے کہ ارتکازِ توجہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی بھی لطیفے پر توجہ مرکوز کر کے وہاں خیالی ضربیں لگانے سے توجہ نہیں بھٹکتی اور نقطۂ ارتکاز پر مجتمع ہو جاتی ہے۔ پھر جب اگلے مراحل شروع ہوتے ہیں اور ان لطائف پر خالقِ کائنات کی عطا کردہ لہروں (انوارات) کی بارش ہونے لگتی ہے تو توجہ کی یہ قوت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اپنے وجود سے نکل کر خالقِ کائنات کی طرف بڑھنے لگتی ہے اس مرحلے کو مزید آگے بڑھانے اور خالق سے آشنائی حاصل کرنے کے لیے مراقبات کی منزل شروع ہو جاتی ہے۔

علمِ نفسیات کے حوالے سے ارتکاز اور یکسوئی کی اہمیت

علمِ نفسیات کی یہ ایک ناقابلِ تردید سچائی ہے کہ خیالات ہی عمل کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ ہم بیمار ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہماری طبیعت میں عجیب قسم کی کسلمندی آ جائے گی۔ اس کے برعکس اگر اپنے آپ کو تندرست خیال کریں تو طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے گی۔ خیال کی عظمت اور توانائی انسان سے بڑے بڑے کارنامے سرزد کروا دیتی ہے۔

ہر شخص کی اپنی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں جن میں وہ دلچسپی لیتا ہے۔ کچھ لوگ کھیل کود میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ کچھ کو مطالعہ کا شوق ہوتا ہے۔ بعض اصحاب فلموں اور موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کچھ اشخاص ایسے بھی ہیں جنہیں عبادت سے سکون ملتا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم اپنی ترجیحات کو مذہب کی طرف راغب کر دیں! یقین کیجئے اگر آپ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو آپ کا دماغ مذہب میں بھی لذت محسوس کرنے لگے گا۔ ساری بات دلچسپی کی ہے۔ بے دلی سے کام کرنے سے کبھی بھی مثبت نتائج نہیں نکلتے۔ ممکن ہے شروع

شروع میں آپ کا دماغ عبادات کی طرف متوجہ ہونے میں مزاحمت کرے مگر آپ نے اگر قوتِ ارادی سے کام لیا تو دماغ بھی آپ کا کہا ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔

کسی بھی کام کو بھرپور طریقے سے سرانجام دینے کے لیے ارتکاز اور یکسوئی (CNCENTRATION) کی بے حد اہمیت ہے۔ ارتکاز کا مطلب یہ ہے کہ صرف کسی مخصوص چیز یا کام پر پوری توجہ لگا دی جائے باقی تمام غیر متعلقہ خیالات کو دل سے نکال دیا جائے۔ ارتکاز زندگی کے ہر شعبے میں اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ایک وقت میں دو کام نہیں کر سکتے، دو کتابیں ایک وقت میں نہیں پڑھ سکتے، ریڈیو کے دو سٹیشن ایک وقت میں نہیں سن سکتے۔ سائنس کہتی ہے کہ جب آپ کسی چیز پر توجہ مرکوز کرتے ہیں تو آپ کے دماغ کے ماورائی حصے بھی فعال ہو جاتے ہیں۔ پھر اس چیز کے خد و خال آپ کے ذہن کی سکرین پر بننے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ توجہ جتنی گہری ہوتی چلی جاتی ہے وہ چیز بھی اتنی ہی شدت سے آپ میں جذب ہوتی چلی جاتی ہے۔ تصوف میں جب یکسوئی اور ارتکاز کی کیفیت میں اپنے آپ کو استاد یا مرشد کے روبرو تصور کیا جاتا ہے تو مرشد کے جسم سے نکلنے والی نادیدہ شعاعیں سالک کی شخصیت میں جذب ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

توجہ، ارتکاز اور یکسوئی کے لیے اپنے دماغ کو اپنے زیرِ اثر کیجئے، آہستہ آہستہ یہ بے لگام گھوڑا آپ کے قابو میں آ ہی جائے گا لغو اور فضول خیالات کو ذہن میں جگہ دینا بند کر دیجئے۔ اس دنیا میں وہی لوگ کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں جو اپنے دماغ پر پورا پورا قابو رکھتے ہیں۔

زندگی کو بہتر انداز میں گزارنے کے لیے کوئی نصب العین بنانا بے حد ضروری ہے اگر آپ کے سامنے کوئی بہتر نصب العین ہو گا تو آپ خود بخود اتنے مصروف ہو جائیں گے کہ فضول باتیں سوچنے کے لیے آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہو گا۔ نصب العین کا تعین قوت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے جو بیمار خیالات کی آمد کو روک دیتا ہے۔

مراقبہ اس کی سائنسی توجیہہ اور فوائد

مراقبہ توجہ یا ارتکاز کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ مراقبے کا تصور ہمیں دیگر مذاہب مثلاً بدھ مت وغیرہ میں بھی ملتا ہے۔ آج کی سائنس بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ ذہنی الجھنوں سے نجات پانے کا واحد حل مراقبہ ہے جس کے نتائج NARCOTICS یا TRANQUILIZERS سے کئی درجے بہتر ہیں۔ اس سے سکون حاصل ہوتا ہے اور دماغی قوت بڑھتی ہے۔ یورپ میں (اور اب پاکستان میں بھی) مراقبہ ہال قائم کیے گئے ہیں۔ مراقبے کی کیفیت میں انسان اپنے عمومی حواس سے بہت بلند ہو جاتا ہے۔

ماہرین نے معلوم کیا ہے کہ جب مراقبے کی حالت میں توجہ کو ایک OBJECT کی طرف مرکوز کر دیا جاتا ہے تو دماغ کی لہروں میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں مشینوں سے کام لے کر ذہنی تبدیلیوں کے گراف بھی بنائے گئے ہیں۔ جن سے ان نتائج کی تصدیق ہوتی ہے۔ عام حالات میں ہمارے دماغ میں ---- (BETA WAVES) بیٹا لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ان لہروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کوئی ترتیب نہیں ہوتی پس خیالات گڈمڈ ہوتے اور آتے جاتے رہتے ہیں۔ مراقبے کی حالت میں یہ بیٹا لہریں ALPHA الفا لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ان لہروں کی پیدائش کے وقت جسم میں کئی اہم کیمیائی اور فعلی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً خون میں LACTATE کی کمی ہونا شروع ہو جاتی ہے (یہاں یہ یاد رہے کہ (LACTATE) کی زیادتی جسم میں تھکن پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے)۔ تنفس کی رفتار میں کمی آ جاتی ہے، دل کی رفتار بھی نمایاں طور پر کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں ہماری جسمانی اور ذہنی تھکن دور ہوتی ہے۔ اب ان لہروں کی پیدائش ہمارے دماغ کے اس حصے کو (ACTIVE) فعال کرتی

ہے جس کا تعلق ماورائے ادراک (EXTRA SENSORY PERCEPTION) اور وجدان سے ہے۔ جسے ہم نے شعور برتر کا نام دیا تھا۔ مزید تشریح کے لیے یہ بتاتا چلوں کہ ہمارے دماغ کا اوپر کا حصہ دو سطحوں میں منقسم ہے۔

1- RIGHT CEREBRAL HEMISPHERE

(دایاں نصف کرّہ)

2- LEFT CEREBRAL HEMISPHERE

(بایاں نصف کرّہ)

دماغ کا بایاں نصف کرّہ ہماری شعوری سوچوں، اعمال، گفتگو اور افعال کو کنٹرول کرتا ہے جبکہ دایاں نصف کرّہ صرف ارتکازِ توجہ یا مراقبے کے دوران جاگتا ہے اور یہ تمام کام الفا لہروں کی مدد سے سرانجام پاتا ہے۔

جب یہ ارتکاز مزید گہرا ہوجاتا ہے تو یہ الفا لہریں آہستہ آہستہ THETA تھیٹا لہروں میں تبدیل ہونے لگتی ہیں (جو لوگ غیر معمولی ذہانت کے مالک ہوتے ہیں، اُن میں الفا اور تھیٹا لہریں زیادہ پیدا ہوتی ہیں) جس وقت تھیٹا لہریں دماغ کے دائیں نصف کرّے کو مکمل طور پر عمل میں لے آتی ہیں تو شاہد کی ذات مشہود کی ذات میں مدغم ہوجاتی ہے۔ اس وقت مراقبہ کرنے والا اپنے گردوپیش سے بے خبر ہو کر اپنی ذات کی نفی کر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اُس OBJECT میں گم محسوس کر رہا ہوتا ہے جس پر اس نے توجہ قائم کی تھی۔ تصوّف میں اُسے "فنا" کا مرحلہ کہتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص اپنے مرشد پر توجہ مرکوز کردے تو جو تھی THETA لہریں پیدا ہوں گی، وہ "فنا فی المرشد" کے مرحلے میں داخل ہوجائے گا یہ ایک خود فراموشی کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ جب تھیٹا لہریں لاشعور کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں لے لیتی ہیں تو اُس عالم میں "کشف" بھی ہوجایا کرتا ہے۔

خیال کا سفر

اب ذرا غور فرمایئے۔ ارتکازِ توجہ سے لے کر کشف کی صلاحیت تک ہمیں ایک ہی قوت کارفرما نظر آتی ہے اور وہ ہے خیال کی قوت۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خیال کی یہ قوت ذہن سے باہر نکل کر کس MEDIUM میں سفر کرتی ہے؟ آیئے اس بات کو بھی سائنسی حوالے سے پرکھتے ہیں۔ سائنسدانوں کے مطابق اس کائنات میں بے شمار قسم کی توانائیاں لہروں کی شکل میں موجود رہتی ہیں۔ مثلاً ریڈیو۔ ٹی وی کی لہریں، سیاروں سے آنے والے سگنل، مائیکرو ویوز وغیرہ۔ اس کے علاوہ کائنات کا ہر ذرہ ایک مقناطیسی میدان کا حامل ہے۔ چنانچہ یہ پوری کائنات ایک طاقتور مقناطیسی میدان FIELD OF FORCE سے بھری پڑی ہے۔ کائنات کا یہ مقناطیسی میدان EMOTIONAL ENERGY ہے۔ خیالات کی لہریں اس مقناطیسی میدان میں COSMIC VIBRATIONS (ارتعاش) پیدا کرتی ہیں۔ جب ہم خدا کا تصور کرکے اُس کے آگے گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں تو ہمارے دعائیہ خیالات کی طاقت چشم زدن میں عرشِ معلّٰی تک پہنچتی ہے اور وہیں سے قبولیت یا رد کی لہریں واپس ہم تک پہنچ جاتی ہیں۔ سائنس کا یہ مسلمہ نظریہ ہے کہ ایک توانائی اپنی شکل تبدیل کرکے دوسری توانائی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ اس کائنات میں موجود ہر چیز سے لہریں بھی نکلتی ہیں اور ایک دوسرے پر اسی مقناطیسی میدان کے ذریعے اثر انداز بھی ہوتی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ جب کوئی بلند مرتبت روح کہیں نازل ہوتی ہے تو ماحول خوشبو سے مہک اُٹھتا ہے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روح القدس کا نزول ہوتا تھا تو ہر سُو خوشبو کی لہریں پھیل جاتی تھیں۔

جب ہم کسی دُکھی انسان کی مدد کرتے ہیں تو اس کے دل

سے نکلنے والی دعاؤں کی توانائی کائنات کے مقناطیسی میدان میں لہریں اٹھاتی ہے۔ پھر یہ لہریں ملکوتی طاقتوں سے جا ٹکراتی ہیں۔ جواب میں اِن طاقتوں سے نکلی ہوئی لہریں ہمیں سکون بخشتی ہیں۔

جب ہم اس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ تمام اجسام پیغام رسانی کرتے ہیں تو پھر یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ جس طرح دُنیا کے دو انسان اور ان کی سوچیں آپس میں نہیں ملتیں، اسی طرح ہر شخص کے خیالات کی فریکوئنسی بھی جُدا جُدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر ہم کسی انسان کی سوچ سے اپنی سوچ کا رابطہ پیدا کرنا چاہیں تو ہمیں بھی اپنے خیالات کو اُس شخص کے خیالات کی فریکوئنسی پر لانا پڑے گا۔ یہ کام ارتکازِ توجہ سے ہوگا۔ اصل میں ہم مراقبے کے ذریعے دو مختلف فریکوئنسیوں کو ایک جگہ اکٹھا کر رہے ہوتے ہیں تاکہ ان کا آپس میں رابطہ قائم ہو جائے۔ یہاں آ کر تصوف کی ایک اور گرہ کھُل جاتی ہے جب صاحبِ کشف حضرات (یا ایسے نیک اور پاکیزہ لوگ جن کے خیالات کی توانائیاں بہت طاقتور ہیں) کی محفل میں بیٹھ کر مراقبہ کیا جاتا ہے تو ارتکازِ توجہ کی گہرائی سے ہماری فریکوئنسی کا رابطہ ان کی فریکوئنسی سے ہو جاتا ہے۔ اب یہ فزکس کا اصول ہے کہ توانائی ہمیشہ زیادہ مقدار سے کم مقدار کی طرف بہتی ہے اور پوٹینشل ڈفرنس (POTENTIAL DIFFERENCE) برابر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ اُن نیک اور بزرگ حضرات کے پاکیزہ خیالات انوارات کی شکل میں ہمارے خیالات پر اثر انداز ہونے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں ہمارے خیالات بھی پاکیزہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس تمام PROCESS میں ہمارے محسوسات کی گہرائی کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ محسوسات جس قدر گہرے ہوں گے، خیالات کا بہاؤ اتنا ہی تیز ہوگا۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ لاشعوری کیفیات کو محسوس کرنے کے لیے شعوری رابطہ توڑنا، اردگرد سے بے خبر ہو جانا اور توجہ میں غرق ہو جانا ضروری ہے۔ اس توجہ سے دماغ کے دائیں نصف کُرّے میں ہیجان برپا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ BODY SECRETIONS میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ مثلاً دماغ کا غدودِ بلغمی (PITUTARY GLAND) حرکت میں آتا ہے۔ سالک پر بے خودی کی سی کیفیت طاری ہونے لگتی ہیں ٹھیٹا لہریں غالب آنے لگتی ہیں۔ اس پچوٹری گلینڈ کے تیز ہوتے ہی دماغ کا دوسرا غدود (PINEAL GLAND) بھی کام شروع کر دیتا ہے۔ اسے اردو میں آپ غدودِ صنوبری کہہ لیجیے۔ اسی غدودِ صنوبری کے عمل کے تحت نفسِ انسانی کی وہ قوتیں بیدار ہونا شروع ہوتی ہیں۔ جہاں زمان و مکان کی پابندی ختم ہونے لگتی ہے اسی عالم میں سالک کو مشاہدات و مکاشفات ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر سالک کی فریکوئنسی، اپنے پیر کامل کی فریکوئنسی سے ملی ہوئی ہو تو پیر کامل اس سالک کو بے شمار واقعات اور مشاہدات دکھا سکتا ہے۔ یہ ایک طرح کی TRANCE کی کیفیت ہے۔

مادے اور لہروں کا آپس میں تعلق

کائنات میں موجود ہر شے کی اصل (BASE) "توانائی" ہے۔ یہ توانائی ٹھوس شکل میں ہو تو "مادہ" (MATTER) کہلائے گی اور غیر مجسم یا غیر مرئی شکل میں ہو تو اسے لہروں (WAVES) کا نام دے دیا جائے گا۔ دونوں صورتوں میں یہ توانائی ہی ہوگی۔

نیوٹن نے ایک فارمولا پیش کیا تھا۔ $E = MC^2$۔ سادہ الفاظ میں اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اگر کسی طریقے سے مادے کو روشنی کی رفتار (186,000 M/S) سے سفر کرا دیا جائے تو یہ لہروں میں تبدیل ہو جائے گا۔ گویا مادہ اور لہریں ایک دوسرے سے الگ چیزیں نہیں ہیں۔ مزید ثبوت کے طور پر یورینیم اور پلوٹونیم کی مثال لے لیں۔ یہ دھاتیں ایٹمی تابکار ہیں اور ان سے تابکاری کی شکل میں شعاعیں (توانائی) خود بخود خارج ہوتی رہتی ہیں۔ فرض کیجیے کہ ۱۹۹۱ء میں ایک گرام یورینیم یا پلوٹونیم کو کسی کھُلی جگہ پر رکھ دیا جائے اور پھر

پانچ سالوں کے بعد ان کا دوبارہ وزن کیا جائے تو وہ کم ہو چکا ہوگا۔ یعنی ان پانچ سالوں کے دوران اس "مادہ" سے نا ایکا رلہروں کا اخراج ہوتا رہا اور نتیجتاً "مادے" کا وزن کم ہو گیا۔ چنانچہ یہ بات واضح ہو گئی کہ مادہ اور لہریں ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی چیز یعنی "توانائی" کی "مختلف الساخت" توجیہات .... (INTERPRETATIONS) ہیں۔ یہ ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہو سکتی ہیں اور ایک دوسرے میں تبدیل بھی ہو سکتی ہیں۔

تصوف کی سائنس میں مادہ کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ لہروں (انرازات) کو اخذ کر سکے بلکہ تصرف کی صلاحیتوں میں تو بعض اوقات مادے ہی کو لہروں میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا گیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض اوقات بہت سے بزرگانِ کرام ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر نظر آئے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک سائنسی عمل ہے جو سوائے تصوف کی لیبارٹری کے، کہیں بھی ممکن نہیں ہو سکا۔ سائنس جوں جوں ترقی کرے گی، تصوف بھی ایک سائنس ثابت ہو کے رہے گا۔

ذکرِ الٰہی اور اس کے سائنسی و نفسیاتی فوائد

ہمارے ہر کام کے دو حصے ہوتے ہیں۔ (۱) نظریہ (۲) عمل سب سے پہلے ہم دریافت شدہ معلومات کے مطابق ایک نظریہ قائم کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارا نظریہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ وہی رازق ہے۔ ہمیں اپنے نظریے کے مطابق خدا کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ یہ ہماری شخصیت کا "فکری" حصہ ہے۔ دوسرا حصہ "عمل" ہے جس میں ہم ان چیزوں پر عمل کر کے اپنے نظریے کی سچائی ثابت کرتے ہیں۔ اگر یہ عملی پہلو ہماری زندگیوں میں سے مفقود ہو جائے تو ہم محض ایک نظریے کے سہارے کسی پائیدار منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب ہم نے یہ نظریہ قائم کر ہی لیا ہے کہ ہمیں خدا پر بھروسہ ہے، اس کی رحمت پر ایمان ہے تو پھر اپنی ہر عملی کوشش میں خدا کو یاد رکھتے ہوئے اپنے کام کیوں نہ سرانجام دیں! زندگی کی جنگ بڑی سخت جنگ ہے، جو اسے تنہا لڑنے کی کوشش کرتا ہے، وہ بڑے مسائل میں اُلجھتا چلا جاتا ہے۔ قدم قدم پر پیچیدگیاں آتی ہیں۔ تو پھر کوشش کرتے وقت خدا کو نظر انداز کیوں کیا جائے؟ کیوں نہ اُسے ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے۔ اس کو پکارا جائے۔ اس کے دو فائدے ہوں گے!

۱۔ انسان نفسیاتی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ میں نے اپنے خدا کو اپنی مدد کے لیے پکارا ہے، وہ مدد ضرور کرے گا۔ اس طرح انسان کی پریشانیوں کی شدت (INTENSITY) کم ہو جاتی ہے۔

۲۔ ذکرِ الٰہی بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لاتا ہے اور انسان کی امداد ایسے ایسے ذرائع سے ہو جاتی ہے جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔

چنانچہ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم ذکرِ الٰہی کثرت سے کیا کریں تاکہ پروردگار کی رحمت کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر رہے اور اس کی مدد ہمیشہ ہمارے شاملِ حال رہے۔

اب میں ذکرِ الٰہی کے سائنسی و نفسیاتی فوائد کی طرف آتا ہوں!

۱۔ ذکرِ الٰہی کرنے سے انسان کو نفسیاتی سکون ملتا ہے۔ اس سے اس کے کشیدہ اعصاب پُرسکون ہو جاتے ہیں اور آدمی اپنے مسائل کو حل کرنے کی بہتر تدبیر سوچنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۲۔ انسان میں یہ اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ میں اکیلا نہیں بلکہ خدا میرے ساتھ ہے۔ اس لیے مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

۳۔ امریکہ کے ہارورڈ میڈیکل سکول کے پروفیسر ڈاکٹر ہربرٹ بینسن نے دس سال کی تحقیقات کے بعد یہ کہا ہے کہ:

"خدا کی یاد اور مراقبے سے دل کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔"

پھر انہوں نے مسلمانوں کے ذکرِ الٰہی کا حوالہ دیا اور کہا کہ مسلمان بار بار قرآن شریف پڑھتے اور ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ اس سے دل کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔ شریانیں کھلتی ہیں اور دورانِ خون میں

اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ماہر امراضِ قلب ہیں۔ انہوں نے مزید یہ انکشاف کیا کہ انسانی گردوں کے غدود سے ایک مادہ خارج ہوتا ہے جس کا نام (NOR ADRENA LINE) ہے یہی وہ مادہ ہے جو خون میں مل کر خون کے دباؤ کو بڑھاتا ہے اور دل کو OVER WORK کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے اس مادے کا اخراج بہت حد تک کم ہو جاتا ہے۔ غدود میں اعتدال آتا ہے اور مریض پرسکون ہو جاتا ہے۔ مزید بیان میں انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ ذکرِ الٰہی سرطان اور سرطان کے درد کے لیے بھی مفید ہے۔

(رپورٹ جنوری، ۱۹۸۶ء)

۴- عام مروج طریقہ کار ذکرِ الٰہی کا یہ ہے کہ انسان سانس پریشر سے اندر لے کر جائے تو تصور میں اللہ کہے اور جب پریشر سے باہر نکالے تو دل پر توجہ کرکے ہُو کی ضرب لگائے۔ اب ذرا پھیپھڑوں کی ساخت پر غور کیجیے۔ ہر پھیپھڑے میں ہوا کی، ہزاروں تھیلیاں ہوتی ہیں جنہیں ALVEOLI کہتے ہیں۔ عام حالات میں جب ہم سانس لیتے ہیں تو ان میں سے چند ایک تھیلیاں ہی استعمال ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہماری عام سانس میں گہرائی یا پریشر نہیں ہوتا۔ ذکرِ الٰہی کے وقت جب ہم پوری قوت سے اللہ ہو کی ضربیں لگاتے ہیں تو ہوا بہت زیادہ پریشر کے ساتھ پھیپھڑوں میں جاتی ہے اور اُن تھیلیوں کو بھی کھول دیتی ہے جو کبھی استعمال نہیں ہوئی ہوتیں۔ اس لیے آکسیجن کی زیادہ مقدار خون میں جذب ہوتی ہے۔ نظامِ تنفس کی بیماریاں دُور ہوتی ہیں۔ خُون کے سُرخ جسیموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے جس کے انسانی صحت پر مثبت اثرات ہوتے ہیں۔

۵- اب رہی قلب پر توجہ کی بات۔ دل کا کام جسم میں خون کو پمپ کرنا ہے۔ خون میں ہیموگلوبن موجود ہوتی ہے (جو ہماری صحت کی ذمہ دار ہے) HEME کا مطلب ہے لوہا اور GLOBIN ایک قسم کی پروٹین ہے۔ دل کے ایک طرف سے خون داخل ہوتا ہے اور دوسری طرف سے AORTA (شہ رگ) کے ذریعے نکل کر جسم میں پھیلتا ہے

دل کے چار حصے یا خانے ہوتے ہیں جن کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جب ہم ذکرِ الٰہی کرتے ہیں تو کائناتی نظام میں موجود توانائیوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ انوارات چونکہ بذاتِ خود توانائیاں ہیں، اور WAVES کی شکل میں ہیں، وہ جب ہمارے قلب پر ارتکاز کی وجہ سے قلب کی طرف رجوع کرتی ہیں تو ہیموگلوبن کا عنصر HEME یعنی لوہا اِن توانائیوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ ان انوارات کی خاصیت مقناطیسی ہے اور لوہا مقناطیسیت سے کھینچتا ہے۔ چنانچہ یہ انوارات ہمارے قلب میں ہیموگلوبن کے ذریعے داخل ہو کر پورے جسم میں گردش کرنے لگتے ہیں اُس وقت ہمیں سنسناہٹ کا احساس ہوتا ہے جیسے کوئی برقی رو ہمارے جسم میں گھس رہی ہو۔

یہ انوارات قلب کی صفائی بھی کرتے ہیں۔ خون کو طاقتور بھی بناتے ہیں اور جب یہی خون دماغ کی شریانوں میں سے گزرتا ہے تو دماغ کی کارکردگی میں اضافے کا موجب بھی بنتے ہیں۔ دماغ جب اس پاک خون کو وصول کرتا ہے تو دماغ کے خلیات چارج ہو جاتے ہیں۔ منفی سوچیں مُثبت سوچوں میں بدل جاتی ہیں اور شر کی جگہ خیر کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ ذکرِ الٰہی کی روحانی کیفیات الگ ہیں۔ جن کا لطف ذکرِ الٰہی کرنے والا ہی محسوس کرسکتا ہے۔

بیعت کی حقیقت

یہ ایک مسلمہ اور طے شدہ طریقہ کار ہے کہ کسی بھی چیز کو سیکھنے کے لیے کسی ایسے اُستاد سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے جو اُس چیز کا کامل علم رکھتا ہے۔ ہم کالج میں داخلہ لیتے ہیں تو دراصل ہم پرنسپل سے یہ وعدہ کر رہے ہوتے ہیں کہ ہم اس کالج کے قواعد وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے علم حاصل کریں گے۔ یہی بیعت ہے تصوف کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھی کسی ایسے شخص یا استاد سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے جو اس علم کا حامل ہو اور پھر آپ کو اُس انسٹی ٹیوشن میں داخلے کے لیے بھی یہ وعدہ کرنا ہوتا ہے کہ آپ حتی الوسع اُس کے بنائے ہوئے

اصولوں کی پابندی اور پاسداری کریں گے اور اس علم کو صدقِ دل سے حاصل کریں گے۔ بس یہی بیعت ہے۔ اُس شخص/استاد کو آپ روحانی استاد، رہنما کا نام دیں لیں یا مرشد اور شیخ کا، بات ایک ہی ہے۔ پھر یہ آپ پر منحصر ہوتا ہے کہ آپ اُس فیلڈ میں کتنی محنت کرتے ہیں اور کتنی ترقی کرتے ہیں۔ اگر کوئی طالب علم کسی کالج میں داخلہ تو لے لے مگر محنت نہ کرے، پڑھائی نہ کرے تو بالآخر اُسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُسی طرح روحانیات کے شعبے میں بھی محنت نہ کی جائے تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

بیعت کا معاملہ دراصل خرید و فروخت کا معاملہ ہے یہ ایک معاہدہ ہے جو دو آدمیوں کی درمیان طے پاتا ہے۔ یہ لسانی ہونے کے باوجود سراسر انسان کی اندرونی نفسیات سے تعلق رکھتا ہے یہ نفس کی ایک داخلی کیفیت ہے جو مخفی ہے اور اگر اس معاہدے کی عہد شکنی ہو تو اس عہد شکنی کا وبال سراسر انسان کے اپنے نفس پر ہوتا ہے۔ آپ خود سوچیئے کہ آپ نے اگر ایک سودا کیا، سودا ابھی آپ کے لیے منافع بخش تھا۔ پھر اس سودے کو منسوخ کر دیا تو نقصان کس کا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ آپ کا۔ اس لیے اوّل تو معاہدہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے اور اگر کر لیا تو پھر اسے نبھانا چاہیئے۔ ہاں البتہ اس بات کی اجازت تو ہر شخص کو ہے کہ وہ جس سے معاہدہ کرنا چاہتا ہے، اسے دیکھ لے، پرکھ لے، اور اگر وہ اُسے واقعی تصوف کا ماہر پائے، تب معاہدہ یا بیعت کرے۔ تصوف کے میدان میں مرشدِ کامل کا ایک لازمی معیار ہے۔ ہر شخص اس منصب کا اہل نہیں ہوا کرتا۔

آخر تصوّف کی ضرورت کیوں ہے۔

اس لیے کہ تخلیق کا اپنے خالق سے رابطہ اور آشنائی بہت ضروری ہے اور تصوف اِس سلسلے میں ہماری بھرپور مدد کرتا ہے۔ کوئی بھی تخلیق اپنے خالق کے وجود سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر زندہ رہتی بھی ہے تو اُس کا وجود دیگر مخلوقات کے نزدیک قابلِ تضحیک ہوتا ہے۔ تخلیق کو اپنا وجود منوانے کے لیے اپنے خالق کی آشیرواد حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر ایک طالب علم اپنے اُستاد کی نظر سے گر جائے تو پوری کلاس اُس کا مذاق اڑاتی ہے، اُس سے نفرت کا برتاؤ کرتی ہے اور اگر کوئی طالب علم اپنے اُستاد کی نظروں میں محترم ٹھہرے تو سب اس کی عزت کرتے ہیں۔ اُسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ اُس کی خامیوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کیونکہ "اُستاد" اُسے عزت کا سرٹیفکیٹ دے چکا ہوتا ہے۔ یہی حال تخلیق اور خالق کا ہے۔ اگر خالق اپنی کسی بھی تخلیق کے بارے میں O.K. CERTIFICATE دے دے تو کسی کی مجال تک نہیں کہ اُسے DE - GRADE کرے یا بے عزت کرے۔ اگر کرے گا تو خالق خود اُسے سزا دے گا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم M.B.B.S اور انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے پانچ/چھ سال لگا دیتے ہیں، زندگی کے دوسرے شعبوں میں اتنی محنت کرتے ہیں مگر اپنے خالق سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے ایک ہفتہ کی محنت بھی ناگوار گزرتی ہے۔ آخر یہ تضاد کیوں؟ تخلیق اپنے خالق کو کیوں بھولتی جا رہی ہے؟ حالانکہ خالق کو سمجھ جانے کے بعد کی میں کسی قسم کی شکایت نہیں آ سکتی۔

مضمون کے آخر میں حرفِ آخر کے طور پر میں یہی کہوں گا کہ اب جبکہ روشنی کی رفتار، نوری سالوں کے ادراک اور دوسرے بے شمار مشاہدات و شواہد سے ہم پر حیران کن حقائق منکشف ہو رہے ہیں، الفرا ریڈ لہروں سے قدیم ادوار کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ کمپیوٹر اور روبوٹ کام کرتے دکھائی دیتے ہیں، ریڈیو، ٹی وی اور ٹیلیفون نے زمانی و مکانی فاصلے مٹا دیئے ہیں، ہمیں اسلام میں پوشیدہ اسرار و رموز کا اعتراف کر لینا چاہیئے۔ جب روس یا امریکہ کا کوئی کمیونسٹ یا دہریہ شخص ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم وغیرہ کی بنیاد پر پیش بینی کر سکتا ہے تو ایک مردِ مومن کے لیے یہ بات کیا مشکل ہے؟ اولیاء کرام کے کشف و کرامات کے واقعات من گھڑت کہانیاں نہیں ہیں۔ بلاشبہ ایسی پاکیزہ ہستیوں

کا اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایسی روحانی قوتیں عطا کی گئیں جو کسی نہ کسی حد تک تصرف کی استعداد بھی رکھتی تھیں۔ وہ ریڈیائی لہروں کی کوئی قسم بھی ہو سکتی ہے یا کوئی بھی ایسا MEDIUM جسے ہم باطن کی آنکھ کہہ سکتے ہیں۔ آج ہم لوگ گھر بیٹھے بٹھائے چند سیکنڈ میں کروڑوں میل ہونے والے واقعات سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ یقیناً" اللہ تعالےٰ نے اس سے بھی زیادہ تیز رفتار اور قوی ذرائع پیدا کر رکھے ہیں جن کا ہمیں ابھی ادراک نہیں ہو سکتا اور جن کے ذریعے چند منٹوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو آسمانوں کی سیر کروا دی گئی۔ جیسے جیسے تحقیق کا دائرۂ کار وسیع ہوتا جائے گا، ویسے ویسے کائنات کے راز بھی ہم پر افشا ہوتے جائیں گے۔

صوفیا اور شیوخ یقیناً ایسی ہستیاں ہیں جو ہمارے لیے "گائیڈ" کا کام دیتی ہیں۔ جہاں تک تصوف کی بات ہے، یہ کتنا بھی محتاط ہو، اپنے ساتھ کشف و کرامات اور تحیرات سے بھرپور واقعات ضرور لاتا ہے۔ یہ الگ موضوع ہے کہ مریدان ان واقعات کو اپنی اندھی عقیدتوں اور خوش فہمیوں کی آمیزش سے کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو چیک کرنے کے لیے ہمارے پاس شریعت کے اصول و قواعد موجود ہیں جن پر عمل درآمد بہرحال مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ قرآن و سنت کو معیار بنا کر قدم اٹھایئے۔ اللہ تعالےٰ کی رحمتیں اپنے بندوں پر سایہ کرنے کے لیے منتظر ہیں۔

دُعائے مغفرت

قیصر شاہ کاکاخیل والے کی والدہ صاحبہ یکم اپریل کو قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ ساتھیوں سے دُعا کی درخواست ہے۔

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

کی اسلامی طرزِ نظام پر انقلابی تصنیف

اِسلام اور جمہوریّت ——— قیمت : ۵ روپے علاوہ ڈاک خرچ

اِسلامی نظام ——— قیمت : ۱۰ روپے علاوہ ڈاک خرچ

اویسیہ پبلشرز : اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

اویسیہ کتب خانہ : الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار۔ لاہور

قرآنِ حکیم اور دعوت وتبلیغِ دین

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

علمائے اخلاق کا اس رائے پر کامل اتفاق ہے کہ کوئی خوبی یا کمال اس وقت تک کمال تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کہ وہ متعدی بغیر نہ ہو۔ اس بیان سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ کمال یہ ہے کہ اس کا اثر دوسروں تک پہنچے صاحب کمال کی ذات تک محدود نہ رہے۔ مثلاً سورج کا کمال یہ نہیں کہ وہ روشن ہے یا گرم ہے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ روشنی اور گرمی پھیلاتا ہے اور ایک جہان کو روشن اور گرم کرتا ہے۔

دین اسلام کے متعلق اللہ کریم نے اپنی آخری کتاب میں ارشاد فرمایا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵:۳) یعنی آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا" اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام جب دین کامل ہے تو کیا اس میں وہ وصف موجود ہے جو علمائے اخلاق کی رائے کے مطابق ہر کمال کے لئے شرط لازم ہے

یہ آیت مفسرین کے نزدیک قرآن حکیم کی آخری احکامی آیت ہے اور اس کے نزول کے '۸۱' دن بعد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو کر دار بقا کو تشریف لے گئے یعنی نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ گویا دین کی تکمیل سے مراد قرآن حکیم کا مکمل ہونا ٹھیرا پھر اکمال اور اتمام کے الفاظ میں نہایت باریک نکتہ ہے۔ اکمال اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز سے جو غرض اور مقصود تھا وہ پورا ہو گیا اور اتمام کے معنی یہ ہیں کہ اب اس سلسلے میں کسی دوسری چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں رہی۔ تو حاصل یہ ہوا کہ قرآن حکیم جس دین کا بنیادی دستور اور آئین ہے اس دین میں اکمال اور اتمام کے دونوں وصف پائے جاتے ہیں۔ اب اس کمال کے متعدی بغیر ہونے کی صورت یہ ہے کہ دین کا ظہور ان اعمال و افعال کے ذریعہ ہوتا ہے جو دین کی پیروی میں امت کے افراد کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ دین کا کمال کتاب الٰہی میں ہے اور اس کمال کا اظہار امت کے ذمے ہے۔ اس بنا پر یہ امت بھی کامل اور آخری امت ہو گی۔

خیر امت : کتاب الٰہی کے کمال کے اظہار اور اس کو متعدی بغیر بنانے کیلئے اللہ کریم نے جس امت کو یہ ذمہ داری سونپی اس کو "خیر امت" کے عظیم الشان لقب سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۳:۱۱۰)

یعنی "تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" چند لفظوں میں امت کے منصب اور فرائض کی مکمل تصویر پیش کر دی گئی۔ جس کی الگ کچھ تفصیل دی جاتی تو بقول صاحب

تفسیر ماجدی یوں مبتنی ہے کہ "اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو۔ تم توحید کے امانتدار ہو۔ زمین پر اللہ کے نائب اور خلیفہ ہو بطور اس کی پولیس کے ہو۔ الٰہی قانون کے نفاذ و تحفظ کیلئے دنیا کے نظام عدل کو برقرار رکھنے کیلئے بھیجے گئے ہو تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کو چلاؤ نظام حق کے ایک ایک کل پرزے کو درست رکھو اور نظام باطل کا ذرہ چلنے ہی نہ دو ظلم ہوتا اگر اس ذمہ دار فعال جماعت کو جہاد و قتال کی آزادی نہ ملتی۔ بلا اجازت جہاد، بلا اجازت حدود و تعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں تیرنے کا دیا جا رہا ہے"

حضرت تھانویؒ نے اس امت کو اس منصب پر فائز کرنے کی دو وجوہ لکھی ہیں: فرماتے ہیں "یہ درجہ اس امت میں اور امم سے دو وجہ سے زیادہ ہے اولاً جہاد کا مشروع ہونا جس سے دفع کفر اور دفع فساد مقصود ہے ثانیاً بوجہ عموم دعوت محمدیہ جس کا سب اقوام کیلئے عام ہونا ہے" (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے سابقہ امتوں میں سب کیلئے جہاد عام نہ تھا اور دعوت کا کام سب اقوام کیلئے عام نہ تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اس امت کو خیر امت اس وجہ سے قرار دیا گیا کہ اسے اپنے لئے جینا ہے ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے فائدہ کیلئے زندہ رہنا ہے اور اس کام کیلئے ضرورت پڑے تو جان کی بازی لگا دینے سے دریغ نہیں کرنا ہے۔

۲۔ سوال یہ ہے کہ کیا خیر امت کے ہر فرد کی یہ دونوں ذمہ داریاں ہیں کہ عمومی دعوت بھی دے اور جہاد بھی کرے یا ان امور کیلئے کچھ شرائط بھی ہیں تو جہاں تک جہاد کا تعلق ہے یہ تو مسلمانوں کی ہیئت مقتدرہ یا اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے ہاں ہر فرد پر اس وقت فرض ہوگا جب اسلامی حکومت مطالبہ کرے جہاں تک دعوت و تبلیغ دین کا تعلق ہے اس کی کئی صورتیں اور کئی درجے ہیں اور ہر ایک کا دائرہ عمل اور دائرہ کار مختلف ہے جسکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ارشاد باری ہے:۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (۶۶: ۶) یعنی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

یہ دعوت و تبلیغ کا نقطہ آغاز ہے۔ کہ انسان سب سے پہلے اپنے آپ کو تبلیغ کرے اور اطاعت الٰہی کی طرف آمادہ کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اہل علم سے دین کے مسائل سیکھے ان پر سچے دل سے عمل کرے۔ اس میں کوئی تک نہیں کہ آدمی اپنی خبر نہ لے اور دوسروں کی طرف دوڑتا پھرے یہ تو بات وہی ہوئی کہ خود میاں فضیحت دیگراں را نصیحت۔

(۲) اپنی ذات کے بعد اپنے گھر والوں کا نمبر آتا ہے کہ خود دین سیکھ کر گھر والوں کو سکھلائے۔ اور خود اطاعت الٰہی اختیار کر کے اپنے گھر والوں سے کرائے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا کہ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ: یعنی تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کے حلقہ اثر کے متعلق باز پرس ہوگی۔ ایسی دینداری اور تبلیغ کہ گھر والے تو دین سے بے بہرہ ہوں نہ دین کا علم ہے نہ عمل اور خود دنیا بھر میں گھوم رہے ہیں اور خوش ہیں کہ تبلیغ ہو رہی ہے یہ مقصود نہیں

اس آیت کے مفہوم کو دوسری جگہوں پر اور انداز سے بیان فرمایا گیا ہے جس میں تبلیغ کا سلیقہ بھی سکھایا گیا ہے۔

(ا) وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ (۲۰: ۱۳۲) یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کرتے رہو؛ تبلیغ کی ترتیب اور سلیقہ سکھایا جا رہا ہے کہ اتنی تبلیغ ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ عالم ہو یا جاہل کہ گھر والوں کو نماز کی تلقین کرے۔ کیونکہ مومن اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز ہی تو ہے جیسا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الفرق بین العبد المؤمن والکافر الصلوۃ: اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے گھر والوں میں وہ نشانی اور علامت تو پیدا کرے کہ انہیں پہچانا جا سکے کہ یہ مسلمان ہیں اور ان کا اپنے رب سے کچھ تعلق ہے۔

(ب) وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (۲۶: ۲۱۴)

"یعنی آپ سب سے پہلے اپنے نزدیک کے کنبے کو ڈرائیے" اس حکم کی تعمیل میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ یہی تھا کہ اپنے رشتہ داروں کو اکٹھا کر کے اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے عذاب سے بچنے کی تلقین۔

(۳) وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (۳: ۱۰۴)

"یعنی ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے"

پہلے دو مدارج کے بعد اس تیسرے حکم کو ملانے سے معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ کی دو قسمیں ہیں اول دعوت خاصہ جو ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے جو پہلی دو آیتوں میں بیان ہوئی اور اس کا دائرہ اپنی ذات اور اپنا کنبہ اور اس کی نوعیت نماز کی تلقین اور اجمالی طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرانا۔

دوسری قسم ہے دعوت عامہ، یہ کام خاص شرائط سے متعلق ہے نفاذوں کا ہے اور فرض کفایہ ہے اس کے لئے علم کی ضرورت ہی نہیں بلکہ علم شرط ہے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: علم کے شرط ہونے سے معلوم ہو گیا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات واحکام بلاتحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں (بیان القرآن ۲: ۴۵)

(۴) عمومی دعوت کیلئے کس قدر علم کی ضرورت ہے:۔

ارشاد باری ہے ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

(۱۶ : ۱۲۵)

اور آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلائیے اور (اگر بحث آن پڑے) تو ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے تفسیر کبیر میں تینوں امور کی وضاحت فرمائی ہے۔ پہلے یہ فرمایا کہ اعلم انه تعالى امر رسوله ان يدعو الناس باحدى هذا القرآن الثلاثة۔

پھر فرمایا: الحجة القطعية المفيدة للعقائد اليقينية وذلك هو المسمى بالحكمة الامارات الظنية والعلائل الاقناعية وهي الموعظة الحسنة لان الدعوة ان كانت بالدلائل القطعية فهي الحكمة وان كانت بدلائل الظنية فهي الموعظة الحسنة

پھر فرمایا: انك مكلف بالدعوة الى الله تعالى بهذه الطرق الثلاثة۔

امام رازی کی تقریر کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ۔

داعی دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) جو تحقیقی جواب دے سکیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مذہب پر عبور ہو۔

(۲) جو الزامی جواب دے سکے اس کیلئے ضروری ہے کہ اپنے مذہب کے ساتھ دوسرے مذہب پر بھی نظر ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت سے حدود وضوابط سے مقید ہے۔ جاہل کو امر بالمعروف جائز نہیں۔

اللہ کریم نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تین طریقوں سے دعوت دینے کا مکلف فرمایا ہے۔

اول حکمت یعنی اپنے دعویٰ پر عملی اور عقلی دلائل قائم کئے جائیں، دوم موعظۂ حسنہ ایسی مؤثر باتیں جن سے مخاطب میں نرمی اور قبول کا میدان پیدا ہو۔

سوم مجادلہ: مخالف کے عذروں کو دلیل سے باطل کیا جائے مگر بطریق احسن کہ مخالف کو رنج و کلفت نہ ہو۔

صاحب روح المعانیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ان تینوں امور کے متعلق لکھا ہے قيل ادع بالقرآن الناس هو

حکمۃ و موعظہ حسنۃ وجوف ان یراد بالحکمۃ الحسنۃ القرآن المجید فانہ جامع لکلا الامرین (روح المعانی)

یعنی قرآن حکیم کے ذریعے دعوت دو اسی میں حکمت بھی ہے اور موعظہ حسنہ بھی ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو توان تین طریق سے دعوت دینے کا مکلف بنایا گیا اور حضورؐ کے اسی کتاب ہدایت و حکمت کے ذریعہ ہی دعوت دی۔ مگر تعجب ہوتا ہے ایسے باہمت مبلغین کی جرأت رندانہ پر کہ قرآن حکیم کا ایک لفظ بھی پڑھ نہیں سکتے سمجھنا اور بیان کرنا تو دور کی بات ہے مگر تبلیغ کے لیے مغرب سے مشرق تک گھوم جاتے ہیں۔ ع پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

حصول علم کا سلیقہ:۔

علم کو دعوت و تبلیغ کے لیے شرط قرار دے کر اس کی ایک تدبیر بتائی ارشاد ہے:۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ

(۹: ۱۲۲)

اور اہل ایمان کیلئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوں مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرتے۔

شاہ عبدالقادرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

یعنی ہر قوم میں سے چاہیئے بعضے لوگ پیغمبرؐ کی صحبت میں رہیں تاکہ علم دین سیکھیں اور پچھلوں کو سکھائیں۔ اب پیغمبرؐ موجود نہیں لیکن علم دین موجود ہے اب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے (موضح القرآن)

اس آیت میں اللہ کریم نے ایک ترتیب اور تبلیغ کا سلیقہ بتایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) عمومی دعوت کیلئے علم کو شرط لازم قرار دیا تو ہر مسلمان کیلئے یہ کام واجب قرار نہیں دیا بلکہ حکم دیا کہ اس کام کے لیے ایک خصوصی جماعت تیار کی جانے اس لئے ہر مسلمان کو یہ کام لازم نہیں۔

(۲) ہر طبقے میں کچھ لوگ اس کام کے لئے مختص کر دیئے جائیں

(۳) وہ افراد کسی علمی مرکز میں جائیں دین سیکھیں اور دین میں سمجھ بوجھ پیدا کریں۔

(۴) جب دین سیکھ لیں تو واپس آئیں اور اپنی قوم اور اپنے طبقے میں دین کی تبلیغ کریں۔

گویا دعوت و تبلیغ کی ترتیب اور سلیقہ یہ ہوا۔ کہ کچھ لوگ دین سیکھنے کے لئے کسی دینی مرکز میں بھیجے جائیں وہ وہاں رہ کر دین کی تبلیغ کریں

گویا دعوت و تبلیغ کی ترتیب اور سلیقہ یہ ہوا۔ کہ کچھ لوگ دین سیکھنے کے لیے کسی دینی مرکز میں بھیجے جائیں وہ وہاں رہ کر دین سیکھیں سیکھ کر لوٹیں تو اپنی قوم میں تبلیغ کریں۔

دعوت و تبلیغ کے کام کیلئے یہ ترتیب اور یہ سلیقہ اتنا اہم ہے کہ اللہ کریم نے صرف یہ بتا دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عملاً اس کی ایک مثال قائم کر کے امت کو خبردار کیا کہ دعوت و تبلیغ کا قرآنی طریقہ یہ ہے۔

ارشاد ہے: وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ (۴۶: ۲۹)

اور جب ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کے پاس لے آئے جو قرآن سننے لگے غرض جب وہ قرآن کے پاس آئے کہنے لگے خاموش رہو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس ڈرانے والے بن کر لوٹے۔

بات وہی فرمائی جا رہی ہے کہ تبلیغ کی ترتیب اور سکھانے کے

نے ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کے پاس بھیجا جو مرکز علم ہے آپ نے قرآن سنایا انہوں نے خوب غور سے سنا۔ اور لوٹ کے اپنی قوم کے پاس آئے تو انہیں قرآن کی تعلیمات پہنچائیں۔

یہ ہے قرآنی دعوت و تبلیغ کا نقشہ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) دعوت و تبلیغ دو قسم کی ہے ایک دعوت خاصہ۔ دوسری دعوت عامہ۔

(۲) دعوت خاصہ ہر مسلمان پر واجب ہے مگر اس کا دائرہ اپنی ذات ہے پھر اپنے عزیز اور رشتہ دار۔

(۳) دعوت عامہ کیلئے علم شرط ہے اس لئے یہ اہل علم کا کام ہے جاہل کے لئے جائز نہیں کہ دعوت عامہ دے۔ اور اگر دے تو مسلمانوں کو سننا جائز نہیں۔

(۴) دعوت عامہ کے لئے ترتیب اور سلیقہ یہ ہے کہ کسی دینی علمی مرکز میں جاکر دین کا علم حاصل کرے پھر لوٹ کے اپنی قوم کو تبلیغ کرے۔

(۵) دین کا علم حاصل کرنے کے لئے علمی مرکز میں جانا ہر مسلمان کے لئے لازمی نہیں بلکہ ہر طبقہ میں سے کچھ لوگ اس کام کیلئے مختص کئے جائیں۔ وہ دین سیکھ کر آئیں اور اپنی قوم کو تبلیغ کریں۔

یاد رہے دین کا علم بہت سی کتابیں پڑھ لینے کا نام نہیں بلکہ علم سے مراد کسی دیندار استاد سے قرآن و سنت کی تعلیمات حاصل کرنا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ تقریباً ہر ڈاکٹر M B B S کی ڈگری رکھتا ہے مگر بعض ڈاکٹر بعض خاص شعبوں میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں جنہیں سپیشلسٹ کہتے ہیں۔ جیسے کوئی آنکھوں کا ماہر خصوصی ہوتا کوئی دل کا کوئی ہڈیوں کا وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہوں نے ڈاکٹری کے اس خاص شعبے میں تحقیق اور ریسرچ کی ہوتی ہے اور اس میں عملاً مہارت پیدا کرلی ہوتی ہے۔ اسی طرح دین کے مختلف شعبوں میں بھی سپیشلسٹ ہوتے ہیں۔ عالم سبھی ہوتے ہیں مگر کوئی مفسر ہوتا ہے کوئی محدث کوئی فقیہ کوئی تزکیہ کے فن کا ماہر ہوتا ہے اسی طرح تبلیغ دین بھی دین کا ایک شعبہ ہے اور اس میں بھی علمانے مہارت پیدا کی ہے تحقیق کی ہے اور تبلیغ کی نئی نئی راہیں نکالی ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآنی دعوت و تبلیغ کی روشنی میں ایسے ماہرین تبلیغ کے کام سے بھی کچھ استفادہ کیا جائے۔

چودھویں صدی کے نصف اول میں ایک منظم تبلیغی تحریک شروع ہوئی جس کے بانی ایک عالم ربانی مولانا محمد الیاسؒ تھے۔ جیسا کہ ہر تحریک کا ایک بنیادی مقصد اور نصب العین ہوتا ہے اسی طرح اس کا بھی ایک مقصد تھا۔ جو خود بانی تحریک نے واضح طور پر بتایا۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا کہ حضرت مولانا الیاسؒ نے خود میرے سامنے وضاحت کرتے فرمایا:۔

"یہ سلسلہ میں نے اس لئے شروع کیا ہے کہ مدرسوں کو طالبعلم ملیں اور مشائخ کو مرید ملیں"۔ (خطبات حکیم الاسلام جلد ۲ صفحہ ۴۰۴)

مولانا نے اپنے اس بیان میں اپنی تحریک کے کام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک ذریعہ، دوسرا مقصد۔ دعوت دینا ذریعہ ہے مقصد یہ ہے کہ جو لوگ دعوت قبول کریں ان کی تعلیم اور تزکیہ کا اہتمام کیا جائے۔ تعلیم کا مرکز دینی مدارس ہیں اور تزکیہ کے مرکز سلسلہ ہائے تصوف کے مشائخ ہیں۔

چنانچہ آپ نے یہی فرمایا کہ میری دعوت کا اثر یہ ہوگا۔ دعوت قبول کرنے والوں کے دلوں میں دین کے سیکھنے کی طلب اور تڑپ پیدا ہوگی اور دینی مدارس کا رخ کریں گے اور تزکیہ کا شوق اور جذبہ پیدا ہوگا اور وہ مشائخ عظام کے ہاں جاکر تزکیہ نفس کا فن سیکھیں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا الیاسؒ نے جو فرمایا وہ بعینہ وہی ہے جو اللہ کریم نے نبوت کے فرائض کے بیان میں فرمایا کہ

يتلوا عليهم ايٰته ويزكيهم ويعلمهم الكتٰب والحكمة۔

کہ میرے نبی کا کام یہ ہے کہ میرے بندوں کو میری کتاب پڑھ کر سناتے یہ حصہ دعوت ہے پھر جو لوگ دعوت قبول کریں ان کیلئے پہلا کام يزكيهم کو ان کا تزکیہ کرے۔ پھر ويعلمهم الكتاب

والحکمۃ انکو میری کتاب کی تعلیم دے اور حکمت کی باتیں سنائے اللہ کریم نے وضاحت فرمادی کہ بلانا صرف بلانے کے لئے نہیں بلکہ بلانے پر جو لوگ آجائیں ان پر تعمیری کام کرنا مقصد ہے اور وہ ہے تزکیہ اور تعلیم۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا نے یہ بات صرف کہنے کی حد تک نہیں کی بلکہ جو کہا عملاً کر کے دکھایا۔ مثلاً مولانا کا یہ معمول تھا۔ کہ جب کچھ لوگوں سے ایک چلا دعوت کا کام لیتے انکو حضرت مولانا مدنی کے پاس بھیجتے اور یہ لکھتے کہ حضرت! میں نے ان کا ظاہر کچھ بنا دیا ہے آپ ان کا باطن کچھ بنادیں" یہ تھا مقصد کی طرف پہلا قدم اور حضرت مدنی انکو ذکر الہٰی کراتے اور تصوف و تزکیہ کے کورس میں جیسا کہ معمول ہے انہیں لطائف ستہ کراتے۔

جہاں تک مقصد کی طرف دوسرے قدم کا حصہ ہے اس کی ابتداؤں ہے کہ آپ نے پہلے میوات میں کام شروع اور علاقہ میوات میں کئی سو مدرسے قائم کیے (دینی دعوت صفحہ ۳۰) یاد رہے کہ یہ مدرسے وہ نہیں تھے جن میں بچوں کو الف آم اور بے بکری پڑھایا جاتا ہے بلکہ یہ وہ مدرسے تھے جہاں مسلمانوں کو دین سکھایا جاتا تھا۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ ہر عمل کا کوئی محرک ضرور ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات ایک کام کے کئی محرکات ہوتے ہیں۔ کوئی بنیادی محرک اور کوئی فوری محرک۔ اسی طرح دعوت و تبلیغ ایک ایسا عمل ہے جس کا ایک بنیادی محرک ہے اور وہ یہ کہ دین اسلام بنیادی طور پر تبلیغی دین ہے اس لئے ہر مسلمان کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ تبلیغ کرے فرق اتنا ہے کہ کسی کے ذمہ تبلیغ خاصہ ہے اور کسی کے ذمہ تبلیغ عامہ پھر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جن کے ذمہ تبلیغ عامہ ہے ان کے ذمہ دعوت خاصہ پہلے ہے لیکن جن کے ذمہ دعوت خاصہ ہے ان کو تبلیغ عامہ کی اجازت نہیں۔

مولانا الیاس کی اس تحریک کا فوری محرک ان کا ایک خاص مشاہدہ ہے آپ علاقہ میوات میں گئے لوگوں سے ملے پوچھا کون ہو۔ جواب ملا مسلمان ہیں نام پوچھے تو بالکل ہندوانہ۔ پوچھا کلمہ آتا ہے۔ جواب ملا وہ کیا ہوتا ہے۔ مولانا کو بڑا دکھ ہوا۔ کہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ کلمہ تک نہیں آتا اور نام بھی ہندوانہ ہیں۔ تو مولانا نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ان لوگوں پر محنت کر کے ان کو دائرہ اسلام میں تو داخل کرنا چاہئے چنانچہ آپ نے اسی نہج پر کام شروع کیا اور چھ نمبر بنا کر ان کو اسلام سے روشناس کرانے کی ابتدا کی۔ کہ جب یہ لوگ اتنا سمجھ جائیں گے کہ اسلام کیا ہے تو آگے انکو اس قابل بنایا جائے گا۔ کہ جو کچھ اسلام ہے اس کی تفصیل معلوم کر کے عملاً مسلمان بن کر رہیں۔ اسکی صورت بالکل وہی ہے جو کسی بچے کو سکول یا کالج میں داخل کرنے کی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف داخل کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ داخل کرنا ایک ذریعہ ہوتا ہے تعلیم حاصل کرنے کا اسی طرح مولانا کی دعوت کی بالکل یہی حیثیت تھی کہ ان اسلام سے ناآشنا مسلمانوں کو بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے۔ اس طرح ان کو اسلام کے مدرسہ میں داخل کر کے انکو آئندہ تعلیم دیکر پورا مسلمان بنانے کا اہتمام کیا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مولانا الیاس نے اپنے کام کو صرف دعوت تک محدود رکھا یا بلا کر اور داخل کر کے کچھ آگے کی فکر بھی کی۔ تو اس بات کو سمجھنے کے لئے اس حقیقت پر نگاہ رکھئے اس تحریک میں آپ کے دست راست آپکے بھتیجے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تھے۔ تحریری کام سارے کا سارا شیخ الحدیث نے کیا۔ اور نظم جماعت میں بھی وہ برابر شریک رہے۔

اب رہی یہ بات کہ انہوں نے عملاً کیا کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ:-

(۱) جیسا کہ ابھی ابھی" دینی دعوت" کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے کہ علاقہ میوات میں مولانا نے کئی سو مدارس کھولے۔

(۲) ۳۷ صفحات کا ایک کتابچہ جس کا عنوان ہے "ایک نصیحت آموز اور ترغیبی خط" جو شیخ الحدیث کا لکھا ہوا ہے اور مکتبہ زکریا خلیل ۳۸ محمدی پارک راج گڑھ لاہور نے طبع کیا ہے۔ اس میں سے

کچھ اقتباسات درج کئے جاتے ہیں تاکہ مولانا الیاسؒ کے کام کا اصل نقشہ سامنے آجائے۔

(۱) مکتوب گرامی مولانا الیاسؒ بنام تمام کارکنان تبلیغ علاقہ میوات

(i) اپنے اپنے ان لوگوں کی فہرستیں جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب کو لکھیں کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

(ii) دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں۔

(iii) ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہو۔

(iv) تم خود بھی ذکر اور تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں اگر نہیں ہو تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر نادم ہو کر شروع کر دو۔

(v) جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں انکو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائے پور جا کر گزاریں (ترغیبی خط ۱۰۰، ۱۱)

اس مکتوب سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا الیاسؒ نے اپنی تحریک کا مقصد جو بیان فرمایا کہ اسکو عملاً پورا کرنے کی کوشش بھی کی۔ کہ پہلے دعوت دو۔ پھر جو آئے اس کے تزکیہ و تعلیم کا اہتمام کرو۔ تو تزکیہ کیلئے اپنے ذکر الٰہی کی تاکید کی اور حکم دیا ایک چلہ تزکیہ کے مرکز حضرت رائے پوری کی خدمت میں گزاریں۔ اور تعلیم کیلئے جاری مکاتب کی نگرانی کا حکم اور جدید مکاتب کھولنے کی تلقین فرمائی۔ یہ مقصد کی طرف بڑھنا ہے اور یزکیھم و یعلمھم الکتاب کی تعمیل ہے۔

اس کے علاوہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی نے مولانا الیاسؒ کے مکاتیب کے جو مجموعے شائع کئے ہیں ان میں بعض مکاتیب کے اقتباس بھی شیخ الحدیث نے اپنے اس خط میں دیئے ہیں مثلاً:

(۱) مولانا الیاسؒ نے فرمایا: آپ لوگوں کی یہ ساری حلیت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا آپنے اہتمام نہیں کیا (خط صفحہ ۱۲)

(۲) علم و ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ اہتمام رکھا جائے۔ ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی (خط ۱۲)

(۳) علم و ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا۔ اسکی مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے اور انکی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم و صحبت سے مستفید ہوں (خط ۱۴)

اس مختصر سے بیان سے ظاہر ہے کہ بانی تبلیغ نے یہ تحریک کس ارادے سے اور کس مقصد اور نصب العین کو سامنے رکھ کر شروع کی۔ یعنی دعوت کو ذریعہ بنایا اور تزکیہ اور تعلیم دین کو مقصد بنایا یہ دو اس تحریک کے اجزائے ترکیبی تھے

اس دست راست حضرت شیخ الحدیث نے دل و جان سے تعاون کرتے ہوئے علمی مواد فراہم کیا اور برابر کرتے رہے مثلاً فضائل قرآن ذی الحج ۱۳۴۸ھ صفحہ ۷۲ چونکہ دین شروع ہی قرآن سے ہوتا ہے آپنے سب سے پہلے اسی کا تعارف کرایا۔ پھر فضائل تبلیغ ۱۳۵۰ھ صفحہ ۳۲ فضائل نماز محرم ۱۳۵۸ھ صفحہ ۸۷ پھر فضائل ذکر شوال ۱۳۵۸ھ صفحہ ۱۷۶ تصنیف فرما کر مزید علمی مواد فراہم کیا۔

مولانا الیاسؒ کے بعد آپ کے فرزند ارجمند مولانا یوسفؒ آپ کے جانشین بنے یوسف صاحب نے اس تحریک کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا،

"علم و ذکر اس کام کے دو بازو ہیں ان میں سے کسی ایک کی کمی اور سستی اصل کام کیلئے سخت مضر اور کمزور کرنے والی ہے ہر ایک اپنی جگہ ضروری اور لابدی ہے۔ علم و ذکر کے مراکز خانقاہیں ہیں اور مدارس ہیں۔ ہم اپنے ان دو بازوؤں کو قوی کرنے کے اندر ہر طرح ہر وقت اہل علم علماء اور مشائخ کے محتاج ہیں۔ اور وہ ہمارے بالخصوص ان دو اہم امور میں مقتدا ہیں، ہمارے ذمے لازم ہے کہ ہم علم و ذکر کی وجہ سے ان کی خوب قدر کریں۔

ان کی صحبت کو اپنے لئے باعث اصلاح و نجات سمجھیں۔"
(خط نمبر ۱۵)

تقسیم ملک کے بعد جماعت میں بقول شیخ الحدیث بابوؤں اور نوجوان بھائی صاحبان کی کثرت ہو گئی اس کا اثر یہ ہوا کہ جماعت میں یہ جذبہ ابھرنے لگا کہ جماعت کو نوجوان قیادت کی ضرورت ہے جو عصری تقاضوں کے مطابق لائن آف ایکشن مقرر کریں اور جدید حالات میں جدید تقاضوں کو پورا کرنے کی تدبیریں عمل میں لائیں۔ چنانچہ نوجوان قیادت رفتہ رفتہ سامنے آنے لگی اور اس کی گرفت جماعت پر مضبوط ہونے لگی۔ چنانچہ نوجوان قیادت نے واقعی جماعت کا تنقیدی جائزہ لیا اور اس کے نتیجے میں جماعت کو نئی راہ پر لگانے میں کامیاب ہو گئی۔

حالیہ نوجوان قیادت نے جائزہ لیکر محسوس کیا کہ:

آج کے نئے ذہن کے لئے علم دین اور ذکر الٰہی ضروری نہیں ہمارا مقصد صرف دعوت ہو گا۔

کیونکہ علم و ذکر دعوت کے لئے شرط بھی نہیں۔

ماہنامہ "صدائے اسلام" پشاور میں ایک "استفتا" چھپا تھا جو جامعہ اشرفیہ پشاور کے استاذ الحدیث کی طرف سے شائع ہوا تھا اس میں مادرن تبلیغی جماعت کے ملفوظات درج کر کے علماء سے پوچھا گیا تھا کہ شریعت کی نگاہ میں ان کی کیا حیثیت ہے۔

ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی، کی مصداق ہے مگر نمبر ۲ تو ان مگر نمبر ۳ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ایک بزرگ نے خواب دیکھا ہے کہ جہاد کا حکم اب منسوخ ہو چکا ہے۔ اب امت کی اصلاح صرف اس رائے ونڈ والے عمل سے ہو گی"

آخر میں حضرت شیخ الحدیث کے مذکورہ خط کا خلاصہ درج کر دینا مناسب ہوتا ہے کیونکہ وہ بانیانِ تبلیغ میں سے ہیں اور تبلیغ والوں کے پاس دین وہی کچھ ہے جو شیخ الحدیث نے تبلیغی نصاب میں لکھ دیا ہے اس لئے ان کا جائزہ اور ان کا فیصلہ تو قطعی اور حتمی شمار ہونا چاہیئے وھو ہذا۔

۲۔ تبلیغ کی روح اور حفاظتی قلعہ ذکر اللہ ہے (صفحہ ۶)

۳۔ ذکر اللہ، ساری عبادات، جہاد، نماز اور تبلیغ کے چھ نمبروں کی بھی روح ہے (صفحہ ۶)

۴۔ شیطان نے صرف اس روح کو کمزور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ ان کو اس کی مخالفت پر آمادہ کر دیا (صفحہ ۶)

۵۔ فرائض وغیرہ کے ذکر ہونے کا مدار قلب کی اصلاح اور اس کے ذاکر ہونے پر ہے لہذا قلب کی اصلاح ظاہری اعمال کی اصلاح کے لیے شرط ہوئی اور مقدم ہوئی (صفحہ ۹)

۶۔ علم دین اور ذکر اللہ کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں (صفحہ ۱۲)

۷۔ مولانا الیاسؒ نے فرمایا:۔ ذکر اللہ شر شیطان سے بچنے کیلئے قلعہ اور حصن حصین ہے (صفحہ ۱۲)

۸۔ علم و ذکر کے کام کا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے۔

۹۔ چلا پر جانے والوں کو سمجھا دیا جاتا ہے کہ یہی دعوت کا کام حقیقی ذکر ہے۔ ذکر سے بڑھ کر ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (صفحہ ۱۶)

۱۰۔ آج اللہ کے فضل سے" اس جز (یعنی دعوت کے پھیلاؤ) کو ذکر چھوڑنے کا عذر قرار دیا جاتا ہے (صفحہ ۱۶)

۱۱۔ حضرت جی یوسف صاحب نے فرمایا معاملات میں ہماری کمزوری کی بہت شہرت ہو رہی ہے اس کی فکر چاہیئے (صفحہ ۱۸)

۱۲۔ تقسیم کے بعد بابوؤں اور نوجوان بھائی صاحبان کی کثرت ہو گئی ہے تو کام کا پھیلاؤ تیزی سے ہو گیا مگر یہ طبقہ ذکر کی لائن سے نا آشنا تھا اس لئے شیطان کو اپنے بچاؤ کے قلعہ کو توڑنے اور کام کی روح پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا (صفحہ ۲۰)

۱۳۔ اب یہ لوگ ذکر اسی کو قرار دیتے ہیں جو نظر بھی آتا ہو مثلاً دعوت کے کام کا پھیلاؤ اور جماعتوں کا نکلنا وغیرہ جن باتوں کا ذکر اب کارگزاریوں میں ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ پھیلاؤ تبلیغی چھ نمبروں کا پھیلاؤ نہیں بلکہ اس نام سے کسی اور چیز کا پھیلاؤ ہے (صفحہ ۲۲)

۱۴۔ اب ذکر کا نام لینا بھی بدعت سمجھتے ہیں (صفحہ ۲۰)

۱۵۔ اب یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ کھلم کھلا ذکر اور خانقاہوں کی مخالفت ہو رہی ہے (صفحہ ۲۳)

(۱۶) میری تو یہ خواہش ہے کہ رائے ونڈ والے سب کے سب حضرت رائے پوری کے پاس حاضر ہوا کریں (صفحہ ۲۵)

(۱۷) اہل ذکر اور اہل نسبت سے رجوع کرو اور ان سے ذکر پوچھو ساتھیوں کو اس پر عملاً لگاؤ (۲۶)

(۱۸) یہ نہیں کہ صرف دس نمبروں پر ان کی طاقت خرچ کروانے کے بعد جب چھٹی دو تو اعلان کر دو کہ بھائی! اپنی اپنی تسبیحات پوری کر لینا (۲۷)

مختصر یہ کہ حضرت مولانا الیاسؒ نے جو خوشبودار پھولوں کا ایک چھوٹا سا باغیچہ لگایا تھا اب وہ ایک وسیع جنگل بن چکا ہے۔ لیکن وہ پھول کہاں اور ان کی خوشبو کہاں گئی؟ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

دنیا کا کوئی مذہب ہو۔ الہامی ہو یا غیر الہامی، سچا ہو یا جھوٹا اس میں ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ اس مذہب کا پرچار کرنے والا اس مذہب کا عالم ہونا چاہئے۔ مثلاً عیسائیت بہت بڑا مذہب ہے۔ اس کے پرچار کرنے والے پادری (   ) کی ڈگری رکھتے ہیں۔ اور اسلام کے متعلق تو تمام اہل مذاہب کا عقیدہ ہے کہ یہ بڑا علمی، عقلی اور بین الاقوامی دین ہے اس کی تعلیمات وسیع اور جامع ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں یہ مکمل رہنمائی دیتا ہے اس لئے اس دین کا مبلغ بہت بڑا عالم ہوتا ہے اور خود اسلام کی بنیادی کتاب میں تبلیغ کا سلیقہ سکھاتے ہوئے مبلغ کو اس کا مکلف بنایا ہے کہ وہ عالم ہے۔

یہ انبیاء والا کام ہے

قرآن حکیم یہ بتاتا ہے کہ نبی کا استاد اللہ کریم خود ہوتا ہے اور یہ اہتمام فرماتا ہے کہ پہلے خود نبی کو تعلیم دیتا ہے پھر اسے تبلیغ پر مامور فرماتا ہے۔ چنانچہ پہلا انسان جسے اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر کرہ ارض پر بھیجا اسے پہلے خود تعلیم دی وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

اور آخری نبی جس کے بعد نبوت کا سلسلہ ہی ختم کر دیا اس سے پہلی بات جو کی تو تعلیم دینے کی (اِقْرَاْ) اور پھر اسے یقین دلایا سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى۔ ہم تجھے ایسا پڑھائیں گے کہ تو کبھی نہیں بھولے گا۔

اگر کوئی نابیناؤں کی جماعت آکر گلی گلی "ہوکا" دے کر کہو: ہم تو اندھے ہیں لیکن ہمارے پاس آؤ ہم تمہاری آنکھوں کا اپریشن کر کے تمہیں بینا کر دیں گے۔ تو کوئی بھی نہیں مانے گا۔

چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

دُعائے مغفرت

میاں مختار احمد صاحب کی والدہ محترمہ اور محمد شفیق بٹ صاحب کے والد محترم انتقال فرما گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

○ قاضی محمد صدیق کے والد بزرگوار فوت ہو گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعا کی اپیل ہے۔

دعائے مغفرت

محمد خان جنجوعہ صاحب (گوجرانوالہ) کے سسر محمد یعقوب خان ۲۴ر اپریل کو وفات پا گئے ہیں۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

علم بغیر عمل

اے بھلائی کے دعویدارو! تمہیں اس کا خوف تو نہیں کہ بڑے بڑے فرائض کو پس پشت ڈال رہے ہو اور نفل نماز، روزہ وغیرہ میں مشغول ہو۔ فرائض سے تارک ہو کر نوافل ادا کرنے والو! ان نوافل کی کوئی وقعت نہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم ایسے گناہ پر قائم ہوتے ہو جو تمہیں دوزخ میں ڈال دے مگر مباح کھانے پینے اور نیند وغیرہ سے بچتے ہو جو عبادت میں تم کو تقویت دیتے ہیں۔ تو تمہارا ایسا پرہیز بے معنی اور فضول ہے اور ان تمام سے بدتر یہ ہے کہ تم دنیاوی امیدوں میں مبتلا ہو۔ حالانکہ دنیا کی امیدیں محض گناہ ہیں اور جہالت کی بنیاد پر تم ان امیدوں کو نیت خیر گمان کرتے ہو۔ کیونکہ تم ان دونوں کے فرق سے جاہل ہو۔ تم دنیاوی امیدوں اور نیت خیر میں اس لیے بھی فرق نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ دونوں بظاہر ایک دوسری سے ملتی جلتی ہیں۔

بعض اوقات تم بے چین ہوتے ہو اور جزع و فزع وغیرہ کرتے ہو اور اسے اللہ تعالےٰ کے دربار میں گڑگڑانا اور عاجزی کرنا خیال کرتے ہو اور کبھی محض تم ریا کر رہے ہوتے ہو۔ مگر تمہارا گمان یہ ہوتا ہے کہ ہم اللہ کی حمد کر رہے ہیں اور لوگوں کو نیکی کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس طرح تم گناہوں کو نیکیاں اور عذاب کو ثواب سمجھنے لگ جاتے ہو اور ایک بہت بڑے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہو اور سخت خرابی میں پڑ جاتے ہو تو خدا کی قسم بغیر علم عمل کرنے والوں کے لیے یہ بڑی مصیبت یہ ہے۔

ہے۔ اگر باطن خراب ہو تو ظاہری اعمال بھی خراب ہوں گے اور اگر باطن حسد، ریا اور تکبر وغیرہ عیوب سے پاک ہو تو ظاہری اعمال بھی درست ہوتے ہیں۔ اگر دل میں اخلاص ہوگا تو ظاہری عمل بھی ٹھیک ہو گا۔ اگر باطن میں ریا ہو تو ظاہری عمل بھی نادرست ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی اپنے اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھے تو ٹھیک ہے۔ اگر انہیں اپنا ذاتی کمال تصور کرے تو خودستائی کے باعث وہ اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جب تک باطنی امور کا ظاہری اعمال سے تعلق باطنی اوصاف کی ظاہری اعمال میں تاثیر اور اوصاف باطنی کے ذریعے ظاہری اعمال کی حفاظت کی کیفیت وغیرہ کا پتہ نہ چلے۔ ظاہری اعمال کبھی درست نہیں ہو سکتے اور جہالت و بے علمی کے باعث نہ تو ظاہری اعمال میں درستی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی باطنی اخلاق فاضلہ یا خصائل رذیلہ کا پتہ چل سکتا ہے اور عمل کرنے والے کے ہاتھ میں سوائے مشقت اور میل کچیل کے کچھ نہیں آتا اور یہ ہی سب سے بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔"

(امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی منہاج العابدین سے اقتباس۔ صفحہ : ۲۷ - ۲۶)

پروگرام انشاء اللہ تعالیٰ

۱۹۹۲ء (۱۴۱۲ھ - ۱۴۱۳ھ)

ماہ	اندرون ملک
جنوری	16 اجتماع دارالعرفان (جمعرات / جمعہ) — 20 اجتماع [illegible] ڈویژن (سوموار)
فروری	7 ملتان - ڈیرہ غازی خان - بہاول پور ڈویژن (جمعۃ المبارک) تا 16 (اتوار) — 27 اجتماع دارالعرفان 28 (جمعرات / جمعہ)
مارچ	7 رمضان المبارک (ہفتہ) — 26 اعتکاف آخری عشرہ
اپریل	5 عید الفطر (اتوار) — 15 لاہور / گوجرانوالہ ڈویژن (جمعۃ المبارک) تا 16 (جمعرات) — 24 منچن آباد / سرگودھا ڈویژن (جمعۃ المبارک) تا 30 (جمعرات)
مئی	9 پشاور / ایبٹ آباد ڈویژن (ہفتہ) تا 17 (اتوار) — 17 D.I.K ڈویژن تا 19
جون	5 آزاد کشمیر (بدھ) تا 9 (منگل) — 11 عید الاضحیٰ — 18 اجتماع دارالعرفان 19 (جمعرات / جمعہ) — 24 چترال تا 30
جولائی	9 سالانہ اجتماع دارالعرفان منارہ (جمعرات)
اگست	14 اختتام سالانہ اجتماع (جمعۃ المبارک) — 22 کوئٹہ (ہفتہ) تا 27 (جمعرات)
ستمبر	5 کراچی (ہفتہ) تا 11 (جمعۃ المبارک) — 24 اجتماع دارالعرفان 25 (جمعرات / جمعہ)
اکتوبر	8 تھر / مخدوم (جمعرات) تا 9 (جمعہ) — 17 گلگت (ہفتہ) تا 22 (جمعرات)
نومبر	26 اجتماع دارالعرفان 27 (جمعہ / جمعرات)

نوٹ:

(۱) حسب وعدہ پیر و مرشد حضرت تشریف نہ لا سکیں تو ان کی بجائے حافظ عبدالرزاق / ناظم اعلیٰ یا نامزد نائب ناظم اعلیٰ نمائندگی کریں گے۔

(۲) فروری، ستمبر اور نومبر اجتماع دارالعرفان کے ساتھ حافظوں کی دستار بندی ہوگی۔ یعنی جمعرات احباب مرشد آباد جمع ہوں گے رات گزار کر بعد صبح دارالعرفان آ جاویں گے اور بعد از جمعۃ المبارک اجتماع ختم ہوگا۔ البتہ [illegible] حافظوں کی [illegible] سالانہ اجتماع بھی ہوگا۔

(۳) ڈویژن کے دورہ کے متعلق پروگرام متعلقہ صاحب مجاز احباب مرتب کر کے ڈرافٹ ناظم اعلیٰ کو ایک ہفتہ قبل بھجوائیں گے۔

غُبارِ راہ

بے حد شگفتہ، اُجلی اُجلی اور جذب کرنیوالی تحریر

حصّہ دوم بھی چھپ چُکا ہے۔

جس میں سفر بھی ہے، سَیر بھی ہے، مزاح بھی ہے، تہذیبِ مغرب کی عکاسی اور تجزیہ بھی ہے۔ مگر ان سبؔ کے علاوہ اور ان سب پر متقدم اُس مقدس اور عظیم مشن کی تکمیل اور اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس ہے جو اس تحریر کو ایک منفرد شان، حُسن اور مقصدیت بخشتا ہے۔ اِس پائے کی تحریر صرف ایک ہی قلم کی زینتِ نوک ہو سکتی ہے

شیخ المکرم حضرت مولانا محمّد اکرم مدظلہ،
کے سفرناموں کا مجموعہ

قیمت : ۱۳۰ روپے

صقارہ کالج آف مینجمنٹ اینڈ ریسرچ سائنسز

رجسٹریشن برائے داخلہ

صقارہ کالج برائے علوم منتظمہ و تحقیق لاہور میں داخلہ برائے سال اول و دوئم ایف اے اور سال سوئم بی اے کے لئے رجسٹریشن کا آغاز ہو چکا ہے خواہشمند طلباء والدین و سرپرست حضرات پرنسپل سے بالمشافہ بذریعہ ن و ڈاک رابطہ قائم کریں۔

رجسٹریشن کے لئے مبلغ =/135 ، بذریعہ نقد یا منی آرڈر ترسیل فرمائیں۔ متعلقہ اصحاب کو کالج پراسپیکٹس و فارم داخلہ ، گرام و تاریخ برائے انٹرویو و امتحان داخلہ بذریعہ ڈاک ارسال کر دیا جائے گا

پرنسپل

صقارہ کالج کا پتہ:

صقارہ کالج آف مینجمنٹ اینڈ ریسرچ سائنسز

کالج روڈ ٹاؤن شپ

لاہور: 54770

ٹیلیفون:

842998 - دفتری اوقات

844909 - 24 گھنٹے

SIQARAH COLLEGE OF MANAGEMENT

&

RESEARCH SCIENCES

REGISTERATION

Students desirous of registeration for admission in Ist and 2nd Year F.A and 3rd Year BA as boarder/ day scolars to contact the principal in person by telephone or post

For registeration please deposit or remit by money order Rs135/= including prospectus charges. Prospectes and admission from will be despatched by post shortly to the concerned students including notified schedulle of test / interviews.

Principal
SCM & Rs

SCM & RS ADDRESS
SIQARAH COLLEGE OF MANAGEMENT & RESEARCH SCIENCES,
COLLEGE ROAD - TOWN SHIP
POSTAL CODE 54770
LAHORE.
TELEPHONE :- 842998 OFFICE TIMINGS
844909 24 HOURS

Discipline.

SCM&RS exercises an elaborate discipline code of its own for the students. The emphasis is an inculcating discipline through self respect. Approach is corrective, imposition of discipline rules are tuned to conform to the departmental procedures which future executives are going to come across in their careers. Legal & moral infringements are dealt in the best spirit of evolving the students into law abiding citizens.

Union & Political Activities.

Commitment not to take part in any political or union activity whil being student or faculty member a SCM&RS is an essential preconditi for the candidates before t! application are considered for admis in students or faculty of SCM&RS.

ATTENDANCE AND LEAVE

SCM&RS academic time t are designed to eliminate spare peri

Uninterrupted attendance is compulsory. Absentees will be dealt with severely. Leave may be granted in case of illness only when medica certificate will be required and i emergent cases only on written request by parent/guardian. Absentees will be fined Rs. 10.00 per day under normal circumstances.

SERVICES

SCM&RS is proud of offering requisite services to the students in order to absolve them maximum from their administrative problems.

Facilities for Day Scholars. Canteen, stationery, book shop and book bank are provided by the Administration. Adequate parking service is organised for motorcycles only and limited transport facility is available for desirous students on payment.

Boarders Only. Boarders are provided lodging, utilities, laundry, haircutting and conservancy services from within the messing and lodging fee. Adequate arrangements for telephone service are also available. Tailor, draper, photo copier and book binders are arranged on request.

Medical. SCM&RS has its own medical facility duly staffed and equipped for first aid. Students undergo regular periodic medical checkup and health record of each student is maintained.

SCM&RS Magazine & Publications

All students departments/courses and faculty, and hobbies/extracurricular wings are encouraged to organise publication of magazines to exercise their right of written expression in a graceful way.

SCM&RS is a mission oriented, hi-tech education institution, encompassing the total educational concept in its academic & personality development programmes in order to achieve the ultimate goal of educational excellence. The sacred trust of evolving future executives who are motivated according to the dictums of the ideology of Pakistan and are also exemplary in character can only be absolved through a responsibility partnership with parents. We pray to Almighty ALLAH to grant us perseverance and steadfastness in achieving the august objectives of Siqarah Educational System.

b. **Annual Funds**

(1) Medical	Rs. 250 p.a.	
(2) Sports	Rs. 250 p.a.	
(3) Library Fund	Rs. 250 p.a.	incl. Book Bank
(4) Welfare Fund	Rs. 200 p.a.	
(5) Transport Fund	Rs. 400 p.a.	
(6) Excursion & Adventure Fund	Rs. 300 p.a.	

DRESS

Uniform: Following uniforms are prescribed :-

Season	First Shift Uniform	Second Shift Uniform	Sports & Martial Arts	Accessories
Summer	* Trouser Light Grey Tropical * Shirt White full sleeve * approved scarf * Shoes Black Oxfords with * Black Socks	* Shalwar t Light Br * Approv carf * Browr ccasions	Sports Kits Martial Arts outfit Sport Shoes	Monogram name Plate Appointment in-signias where applicable
Winter	* Trouser dark Grey Woolen * Shirt White with full sleeve * Approved scarf * Blue Coat with College Colour * Shoes Black Oxford with * Black Socks	* Shalwar S Light Bro * Approve f * Blue Coat ...h College Colour * Shoes: Moccasions Brown	Sports Dress Martial Arts Outfit Sports Shoes	Monogram Name Plate Appointment insignias

Organised facility for provision of uniforms on payment exists.

During off parade hours the students are required to confirm to the following dress code.

a. Hair cut. Proper hair cut according to dictates of Sunnah.
OR
Short cropped executive hair style

b. Informal Afternoon & Evening Dress. Graceful executive standards to be adhered to at all occasions of in room organised studies or out of the room activity.

ADMINISTRATION & ACCOUNTS

FEES AND OTHER CHARGES

Detail of Tuition Fee. Rates are as follows :-

Serial No.	Stages of Education	Messing Fee Inclu. Lodging Services & Utilities Charges	Tuition Fee	
			First Shift	Second Shift
1.	FA/FSc	750	300	200
2.	BA/BSc	750	350	250
3.	Masters	750	400	300

Registration, Admission and Securit harges.

a.	Registration Fee (Non Refunda!			Rs. 100.00
b.	Admission Fee			Rs. 200.00
c.	Building Fund			
		(i)	First Shift	Rs. 3000.00
		(ii)	Second S!	Rs. 2000.00
		(iii)	Boarder	Rs. 4000.00

				FA/FSc	BA/BSc
d.	Security	(i)	Day Scl. s		
			(a) First . ift	900	1050
			(b) Secon. iift	600	750
		(ii)	Boarder		
			(a) First Shift	3150	3300
			(b) Second Shift	2850	3000

Academic Session's biennial and annual funds.

		FA	BA
a.	Biennial Funds		
	(1) Examination Fee	250	350
	(2) Computer Fee	2500	3500
	(3) PAD Fee	250	250
	(4) S&C Fee	200	200

Outdoor Excursions. These are targetted at objective study of environments. Such study tours are designed to cover a wide cross section of the total socio-cultural scenario.

Games & Sports.

The intrinsic potential of games and sports of being organised and disciplined exercise as a team which combines subtle education with fun is exploited through participative organisation of games.

TOWARDS LEADERSHIP AND MANAGEMENT EXCELLENCE

Student Appointment Structure.

To facilitate physical exercise of leadership talent, a good number of student appointments at group, class, department and college level are constituted. Such students are entrusted executive powers and are guided to improve their managerial skills.

Development of Creative Talent.

Elaborate skills and crafts training is organised in form of brief shifts of technical skills courses in disciplines like audio visual gadgets training, metal & wood work expertise etc. Students are encouraged to devise multidimensional gadgets of their own thereby improving this vital attribute of education perfection.

Extra Curricular and Socio Cultural Activities.

This facility provides the informal platform to organise pursuit of multi choice hobbies. The planning and execution infra structure provided by the faculty for this purpose is designed to encourage maximum organised initiative by students in socio cultural fields.

Leadership Development through Adventure.

Annual schedules of College incorporate two organised adventure tours in Summer and Winter through joint planning by faculty and students to facilitate development of leadership traits through exposure to adventure circumstances. Superior Planning talent of faculty is utilized to emplace the tour programme in framework of maximum assimilation of environmental, historic, sociological archaeological and anthropological knowledge.

CAREER DEVELOPMENT OF FACULTY.

The avowed objective of ultimate in educational excellence can only be achieved through efficient, forward looking faculty; to this end SCM&RS practices a spirited career development plan for its faculty.

At the time of selection, potential for promotion to higher ranks of career advancement is sought. It is envisaged that only the dynamic and advancing intellectual faculty member can infuse the commensurate dynamism in their students.

b. Parents are encouraged to call as frequently as possible for personal liaison with the faculty members concerned in individual students progress.

c. Comprehensive end term assessment reports are regularly despatched to parents and guardians.

d. During vacations parents/guardians are requested to observe their children/wards for their own candid assessment. In case they find any remarks worth mentioning to the SCM&RS; they should disseminate such through feed back proforma sent to the[illegible]

e. Parents day is an important ev[illegible] in alluminii schedule. constitutes the day of accountability to the parents/guardians of the sacred trust of individual student's progress of SCM&RS Attendance of parents/guardian on this occasion therefore is a source of great honour for the institution.

Parents/guardians share the joint responsibility for personal conduct and obedience to moral/legal codes. Any serious violation of such codes by student in individual capacity will be reported to student parents/guardians for needful perusal.

Visiting Hours for Parents/Guardians.

All desirous parents/guardians can see the Principal from 11 AM to 1 PM on Wednesdays and Thursdays.

DEVELOPMENT [illegible] EXECUTIVE POTENTIAL

Development of Communica[illegible] skills :

In order to objectively d[illegible]lope the quality of written, verbal a[illegible] non verbal expression potentials in s[illegible]ents befitting rising executives; el[illegible]orate system of compulsory active participation in an organised daily short debating session of assembly is instituted.

Tutorial Group System.

Tutorial groups under members of faculty are organised to closely supervise the sociological and intellectual development of students according to the dictates of latest socio-psychic modalities.

Daily Routine.

The daily time table is drawn up to complete the educational and personality development commitments within comfortable time span. Students will be encouraged to organise their individual spare time off academic hours and weekend timings themselves duly guided by the faculty. The emphasis is kept on development of graceful independence and self discipline and not on superficial appearances.

House System.

A detailed concept of residential units based house system is practiced to inculcate team spirit and sense of belonging to a close family of colleagues. The same units provide the infra-structure for internal competitive events.

In order to facilitate maximum utilisation of educational services of SCM&RS double shift of students is organised as follows :-

		Summer	Winter
(a)	Ist Shift	0720-1300	0720-13
(b)	2nd Shift	1340-2010	1340-2(

TERMS VACATIONS & HOLIDAYS

The academic year is organised into three terms, each of which forms the basic unit of student development assessment and identification of future development process under the Siqarah Education concept. Each of following term terminates with end term examination and Student Assessment Conference. Academic & Personality development grades are closely disseminated to parents/guardian.

(a) First Term : May to early September.

(b) Second Term : September to December

(c) 3rd Term : ... ary to April

ACADEMIC PROGRESS

Academic & personality development progress monitoring is exercised in following way.

(a) At start of the academic session and ... initial standards are assessed by a comprehensive examination and recorded ; providing insight into individual student capabilities. It gives us basis for planning their education progress modality.

(b) Faculty member through monthly sport and quiz tests and personality development progress assessment keep a constant track of student's assimilation progress, improving their teaching & supervising adaptability according to student needs.

(c) During short / summer vacations students are guided for organised and objective self study programmes.

(d) End Term tests constitute vital land marks in academic & personality development progress of students and also a review of educational system planning & its execution.

) Annual examinations mark the end of yearly academic cycle. In case of internal/external examinations / end of the year personality development assessments whole-some reviews of individual students/class from multi faceted SCM&RS programme are carried out to identify areas for further adaptation & perfection.

RESPONSIBILITY PARTNERSHIP WITH PARENT/GUARDIANS

As SCM&RS is mandated for students education by their respective parents/guardians, special steps are taken to maintain an active and continuous contact with them on the following lines :-

a. Admission procedure involves incorporating parents in initial selection/start of the session assessment

Compulsory short duration shift courses for computer physical attributes development skills & craft are scheduled for respective shifts as under :

Sr.	Course Title	Student Commitment per working day	Duration of one course for 2 years session	Student Strength %age of shift	Timings Ist shift	Timings 2nd shift
1.	Computer	1.5 hours	3 months	20% of shift	After-noon	Fore noon
2.	Physical Attributes Development	1 hour	3 months	20% of shift	"	"
3.	Skills & Crafts	1 hour	1 month	6.67 % of shift	"	"

consisting a Martial Arts and Physical Training.

IDEOLOGICAL ORIENTATION.

Character Building's theoretical portion is imparted through the Islamic Teachings and observance of human values par excellence in practical life through appropriate emphasis on Faraiz and Haqoqul Ibad. The aim is to produce motivated executives according to the dictates of the Ideology of Pakistan.

Organized effort is done for inculcating of proper national spirit amongst the students by objective observance of days of national and religious significance.

ADVANCE STUDY CENTRE

In order to provide adequate reference, research and technological material infrastructure for intellectual development of SCM&RS faculty & ·idents, advance study centre has been ed. Its outline organisation is as ws :

i) Library complex.

ii) Research & Computer Centre

LIBRARY COMPLEX.

Library Complex is being organized to have Graduate Section, Reference Section, Audio Visual & Language Laboratory and Book Bank.

RESEARCH & COMPUTER CENTRE.

In this facility computer research hardware & software configuration, research coordination and supervision laboratory, seminars and editing section is organised.

DOUBLE SHIFT SCHEDULE

Education in SCM&RS is imparted in three stages, but the curriculum is drawn as an integral unit.

(a) **Under Graduation Stage.**

For FA/FSc following subject combinations are suggested.

1. Economics	Math	Statistics
2. Economics	History Civics	Military Science
3. Economics	Islamic History Culture	Islamiyat
4. History Civics	Education	Applied Psychology

(b) **Graduation Stage.**

For B.A. 3rd year related subjects combination are offered

(c) **Masters Level Stage :**

For M.A./M.Sc.

1. Masters Degree in MBA, MAS
2. Masters Degree in ERM
3. Masters Degree in IDR
4. Masters Degree in IRS
5. Masters Degree in RSM

CURRICULUM

(a) The eventual medium of education will be English for academics except for oriental languages.

(b) One Year probational period will be allowed for students weak in English and Arabic

The instructional syllabi fully conform to the requirements of Board/University with whom the SCM&RS is affiliated and competitive Professional Examinations, for which the students will be prepared.

According to the requirement of Siqarah Educational System, in order to achieve the excellence in education, following additional integral subjects/disciplines are offered with negligible additional load on the students by adroit time management.

(a) **Character Building Training.**

By imparting knowledge and practice of [illegible] moral values par excellence through teaching of a recognize syllabus of Quran & Sunnah. The Students are motivated in the light of Ideology of Pakistan.

(b) **Integral Computer Training.**

In the limited duration course shifts adjusted within overall 2 years session at each stages.

(c) **Modern Outlook Subjects.**

For objective orientation with world affairs, international outlook generally and specifically preparing the students for professional, competitive examinations. e.g. CSS, PCS, Defence Services Commission, TOEFL, SAT, GRE, GMAT etc a small percentage of periods are arranged for a balanced compact syllabus.

(d) Development of general physique and attributes is facilitated through arrangement of elite physical training curriculum, known as Physical Attributes Development (PAD) Course

Those students whose parents/guardians do not reside in Lahore are not allowed to apply as day scholars.

(c) Limited seats will be available on academic and character merit for day scholars.

(a) Point of entry will be Ist year only.

(b) Vacant seats in subsequent classes will be filled essentially at start of the session after college's Selection Procedure.

(c) For the 1992-93 year applicants are invited for Ist & [illegible] Year F.A. and 3rd Year B.A.

ADMISSION

(a) Candidate will pay non-refundable registration fee of Rs. 100.00 for admission test through bank or cash with application by due date.

(b) All the candidates thus registered will present themselves for tests/interview on given date or their registration will be treated as cancelled.

Admission will be on academic & character merit based on academic results/admission test and interview/recommendations. Those finally selected will be required to join the SCM&RS as per instructions of the Principal.

ACADEMIC MERIT & AGE

Aspirants for admission should have respectable academic merit at the time of admission, further screening will be done during test/interview.

Uniformity of age group in respective stages is ensured at the time of admission. Candidates appearance and credentials should conform to his declared/recorded age. Candidate with uninterrupted academic record with the following ages are preferred :-

a. Under Graduation Stage	Age 15½ years
b. Graduation Stage	Age 17½ years
c. Masters Stage	Age 19½ years

ACADEMIC PROFILE

OUTLINE ORGANISATION OF THE SCM&RS.

SCM&RS is designed to impart college level education from First Year to Post Graduate level in one campus in following four disciplines of Social, Ideological and Economic Sciences.

(a) MANAGEMENT AND BUSINESS ADMINISTRATION (MBA)

(b) EDUCATIONAL RESEARCH & METHODOLOGY (ERM)

(c) IDEOLOGICAL RESEARCH (IDR)

(d) INTERNATIONAL RELATIONS & STRATEGICAL STUDIES (IRS)

(e) RESEARCH METHODOLOGY (RSM)

ORGANISATION OF COURSES OFFERED FOR PUBLIC, BISE, UNIVERSITY EXAMINATIONS.

INTRODUCTION TO SIQARAH COLLEGE OF MANAGEMENT & RESEARCH SCIENCES - LAHORE

KHALID SULTAN PRINCIPAL SCM&RS

GENERAL

LOCATION

SCM&RS Campus is located in the centre of the elite government and semi government residential schemes of expanding metropolis of Lahore. It is approachable by College Road, Township.

BACK GROUND

Siqarah Education System was launched on 19 January, 1987 by the then President of Pakistan Muhammad Ziaul Haque Shaheed, when he inaugurated the pilot institution of Siqarah Academy, Chakwal - Pakistan.

SCM&RS was inaugurated at Lahore being the Educational and future Economic Capital of Pakistan on Ist September, 1990 by Patron in Chief Maulana Muhammad Akram Awan in order to produce potential executives for elite academic disciplines and superior services.

EDUCATIONAL AIMS

The basic aims of Siqarah Educational System is to achieve excellence in education through properly balancing the facets of intellectual character and physical development of students.

GOVERNMENT ACKNOWLEDGED INTERNATIONAL STANDARDS.

On 11th February 1992, a high level team of educational experts, sponsored by Federal Government of Pakistan, Ministry of Education, Punjab Provincial Ministry of Education, Punjab Education Foundation and headed by UNESCO representatives visited Siqarah College of Management & Research Sciences Lahore and the international standards of the Siqarah Educational System were lauded. Honourable M. Futanazi from UNESCO Paris, France and Honourable T.M. Sakya of UNESCO, APPEAL Headquarters Bangkok, Thailand declared SCM&RS project as model of objective partnership in educational sector between the non government private organisations and Government in 3rd World countries.

ADMISSION & INTAKE POLICY

(a) The inner core of students will be taken from feeder institutions of Siqarah Educational System after Matric.

(b) Certain number of seats will be available on academic & character merit for suitable candidates in the residential facility only.

اسرار التنزیل

	غیر مجلد	مجلد آرٹ پیپر
جلد اوّل	۱۰۰/-	۱۹۰/-
جلد دوم	۸۰/-	۱۳۰/-
جلد سوم	۷۰/-	۱۳۰/-
جلد چہارم	۸۰/-	۱۳۰/-

منی آرڈر یا ڈرافٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں

اویسیہ کتب خانہ۔ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ۔ لاہور

شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

کے بیانات کی وِڈیو کیسٹس تیار ہو چکی ہیں

وِڈیو کیسٹ

رمضان المبارک			کیسٹ نمبر
۲۱	۲۲		۱
۲۳	۲۴	۲۵	۲
۲۶	۲۷	۲۸	۳
۲۹	۳۰		۴
تقریب رونمائی غبارِ راہ لاہور			۵
اجتماع لنگر مخدوم			۶

-/۲۵۰ روپے فی کیسٹ مع -/۱۰ روپے ڈاک خرچ، بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر ناظمِ اعلیٰ کے نام بھیج کر منگوا سکتے ہیں،

ناظم اعلیٰ اویسیہ سوسائٹی ۔ کالج روڈ ۔ ٹاؤن شپ ۔ لاہور

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے
آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255